المنظار فی بیان کثیر من الاخطاء الشائعة

خطاؤں کا آئینہ

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز آل الشیخ حفظہ اللہ



نام کتاب : خطاؤں کا آئینہ

مؤلف : فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز آل الشیخ (حفظہ اللہ)

صفحات : ۱۹۲

ناشر : اصلی اہل سنت ڈاٹ کام

فہرست مضامین

مقدمہ

۔۔۔۔تاکہ جنتوں کے دروازے کھولے جائیں

میں اپنے رب کی بہترین اور مکمل ترین حمد بیان کرتا ہوں، اس کے حضور محبت اور تعظیم کا اظہار کرتے ہوئے، ثناء اور بزرگی بیان کرتے ہوئے اس کی تعریفیں بیان کرتا ہوں۔۔۔۔۔ اس کے اسماء حسنیٰ، اعلیٰ ترین صفات کاملہ اور پرداز حکمت افعال جمیلہ کے بیان کرنے کے ساتھ اس کی ثناء بیان کرتا ہوں، ہاں! وہی تو حمد و ثناء کا اہل اور مستحق ہے، وہی تو میرا رب ہے اس کے سوا میں کسی کی عبادت نہیں کرتا، میں اس کے سوا کسی کی جانب رجوع بھی نہیں کرتا، میں تو کسی بھی حالت میں ہوں اس کی نعمتوں ہی میں معمور رہتا ہوں، صبح و شام اس کی مہربانیوں ہی کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں، جب کہ میں تو کسی بھی چیز کا حقدار نہیں ہوں، میں تو ایک علم و عرفان سے عاری عاجز بندہ ہوں، یہ تو اللہ ہی کا بے پایاں فضل و کرم اور اس کی پیہم نوازشات و عنایات ہیں کہ جس نے مجھے ان انعامات کا مستحق ٹھہرایا ہے و گرنہ میں تو اس قابل نہ تھا، تو اے میرے مولا! مجھے ان تمام نعمتوں کا، جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہیں، شکریہ ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

میں اس کی بھی دل کی گہرائی سے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اسی اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ کے حضور اظہار عبدیت اور اس کے رسول حتمی مرتبت (ﷺ) کے اعتراف رسالت کے بعد اس بندے کو مبارک باد کا مستحق سمجھتا ہوں جس نے اللہ کے حق کو سمجھ لیا ہے اور پھر اسی کی عظمت کے راگ الاپتا ہے، اور وہ بندہ بھی مبارک باد کا اہل ہے جس نے واجب الاطاعت، متصرف الامور پروردگار اور ایک محتاج اور حکم کے پابند بندے کے درمیان فرق پر یقین پیدا کر لیا ہے۔

بندوں میں سے چند ایک راہ ہدایت پر چلنے سے وحشت محسوس کرتے ہیں اور اس راہ میں قدم آگے بڑھانے کو بوجھ خیال کرتے ہیں تو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ ان کے دلوں میں تکبر پنہاں ہے یا پھر ان کے سینے اور سینوں کے قرب و جوار نزدیک کی پسلیاں بھی غرور سے معمور ہیں حالانکہ ایک فرماں بردار، اطاعت گزار بندے کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین بلکہ حق الیقین رکھے:

کہ وہ صرف بندہ ہے رب نہیں، وہ اپنے مولا کریم کا مطیع اور اطاعت گزار ہے، اس کے حکموں سے راہ فرار اختیار کرنے والا نہیں، وہ اللہ کے فرامین و

احکامات پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی عظمتیں بیان کرنے والا ہے، جس کام کے کرنے کا اس کے رب اور مولا نے اسے حکم دیا ہے وہ اسے ٹھکرا نہیں سکتا اور جس کام سے اس نے اسے روک دیا ہے اس کے قریب تک بھی نہیں پھٹکتا۔ وہ تو اللہ سے حیاء کرنے والا ہے، اس کی دنیاوی زندگی تو صرف آخرت تک پہنچنے کے لئے ایک پل کی مانند ہے وہ تو اپنی حیات مستعار کو اس ڈوبتے ہوئے سورج کی مانند خیال کرتا ہے، جو ابھی تھوڑی دیر کے بعد نظر نہیں آئے گا۔ وہ تو اس دنیا میں ایسے کام کرتا ہے جو اسے محبوب اور پسندیدہ ہیں، تاکہ رب رحمن کی رضامندی اور خوشنودی کے قریب تر جاسکے اور تاکہ ان اعمال کے سبب جنتوں کے دروازے اس کے لیے کھولے جاسکیں۔

اس عظیم خوش کن موقع کو پانے کے لئے وہ کس قدر کوشاں نظر آتا ہے، اس کا دل فرضی اور نفلی عبادت کی ادائیگی پہ کیسا فرحاں و شاداں ہو جاتا ہے، کیوں کہ اسی عبادت کے ذریعے ہی سے بندہ اپنے مولا کریم کی دوستی اور ولایت کو پا سکتا ہے۔ اور وہ کس خوبصورت اور بہترین انداز سے اپنے آپ کو شریعت کی منہیات اور ممنوعات سے روکے ہوئے ہے، کیوں کہ اسی طریقے سے ''دیدار الٰہی'' سے مستفیض ہو سکتا ہے اور بہشتوں کی لازوال نعمتوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

دراصل یہ کتاب ایک جذبہ خیر خواہی کی کاوش کے تحت معرض وجود میں آئی ہے، شریعت کے جن کاموں کی بکثرت خلاف ورزی ہو رہی ہے پھر ان کے شرعی حکموں سے بے اعتنائی اور لاپروائی برتی جارہی ہے ان مسائل میں خبردار کرنے اور آگاہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ جو لوگ ان خلاف ورزیوں میں مبتلا ہیں میرے نزدیک ان کی دو قسمیں ہیں۔

① گروہ علماء:

وہ جانتے ہیں کہ شریعت نے ان کاموں سے روکا ہے لیکن وہ ان کا خیال نہیں کرتے، ایسے لوگ اپنے رب کریم کی صحیح معنوں میں قدر نہیں کر رہے، اللہ تعالیٰ کی شان بلند کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے کہ اس کی اپنی حیثیت اور وقعت کیا ہے؟ اور اس رب کی کیا عظمت اور رفعت ہے؟ اس عبودیت اور بندگی کا کیا معنی ہے جو اس بندے میں نظر آنی چاہیے؟ اور اس کی ربوبیت اور الوہیت کا کیا مطلب ہے جو اس عظیم و جلیل اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے؟

②طبقہ جہلاء:

وہ لوگ جو ان احکام شرعیہ سے ناواقف ہیں وہ اجمالی طور پر اپنے رب اور مولا کریم سے محبت رکھنے والے ہیں وہ تو یہ بھی نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نا پسندیدہ کام کرتے ہوئے دیکھے، وہ تو قرآن میں بیان کردہ جنتوں اور نہروں کی امید رکھتے ہیں۔ جن میں نعمتوں اور لذتوں کی انتہا ہوگی، وہ تو خوف کی گھڑیوں میں امان اور اطمینان کی آس رکھتے ہیں، جب سب لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے، ایک گروہ جنت میں اور دوسرا گروہ دہکتی ہوئی آگ میں جائے گا ان شاءاللہ۔ یہ کتابچہ ان کے اسی شوق اور آس و امید کو مزید ترقی بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد حقوق کو اجاگر کرنے کے لیے یہ رسالہ بصیرت افروز ہے، اللہ کے حق کی رعایت اور خیال رکھتے ہوئے جن خلاف ورزیوں کو ترک کرنا ہے یہ اس کو آسان کردے گا، ان کے دلوں کو جلا بخشے گا، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے سلسلے میں کوتاہی اور ارتکاب معاصی کی حوصلہ شکنی کرے گا۔

دراصل یہ کتابچہ ان مسائل کا مجموعہ ہے جنہیں ہمارے ایک بھائی نے یکجا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اور اس کا ٹھکانہ جنت میں بنائے، ہمارے کچھ دوسرے احباب گرامی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے ترغیب و توجہ دلائی(اللہ تعالیٰ انہیں مزید مقام بلند سے نوازے اور ان کے دشمنوں کو ناکام کرے) کہ میں ان جمع شدہ مسائل کی مختصر عبارت میں بادلائل تشریح کردوں جس سے مقصود و مطلوب کی توضیح اور ارشاد و ہدایت کی درستگی ہو جائے اور مذکورہ مسائل کی دلائل سے پختگی یقین ہو جائے۔۔۔ تو میں نے اس کی اور اس جیسے دوسرے ساتھیوں کی جنہیں معاشرہ کے بگاڑ کی فکر نے بے خوابی کا شکار کر رکھا تھا اور اس بگاڑ کو دور کرنے کے لیے وہ رات بھر پیچ و تاب کھایا کرتے تھے کی محبت کی قدر کرتے ہوئے اس ذمہ دار کو قبول کر لیا۔۔۔۔۔ جس سے صرف عوام الناس اور درمیانے طبقے کے لوگ ہی مستفید ہو سکتے ہیں، انہیں کے نفع اور اصلاح کے جذبے سے یہ سطور لکھی گئی ہیں۔ اہل علم اور طلبائے علم ان سطور کی سطحی عبارات اور عمومی خیالات پر میرا مواخذہ نہ فرمائیں لیکن اتنی گزارش ضرور ہے کہ جہاں کہیں بات میں پختگی اور وزن پائیں تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اس کی تعریف بیان کریں، اور جہاں کہیں کوئی کمی محسوس کریں تو اسے درگزر فرمائیں، درخور اعتناء نہ سمجھیں'' نیک قصد اور حق کی طلب'' ہمارے سفارشی ہیں، ان کا خیال فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں لغزشوں اور کوتاہیوں کی بہتات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ

المملكة العربية السعودية

الریاض ۱۴۰۸/۱۱/۲۸ھ

اولاً

توحید ربانی اور دیگر عقائد میں خطائیں

ان شرکیہ عقائد کا بیان جو ملت اسلام سے نکال دینے والے ہیں اور کچھ شرک اکبر کی اقسام کا بیان۔

۱) مردہ لوگوں سے نفع نقصان کی امید رکھنا:

مردہ لوگوں سے فریادیں کرنا، ان کو پکارنا، ان سے مدد چاہنا، کسی بھی نوع کی عبادت کے ساتھ ان کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا، یہ شرک اکبر ہے۔ ملت اسلام سے خارج کردینے والے اعمال ہیں۔ اس فرمان الٰہی کی دلیل کی بنیاد پر:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ (الفاتحۃ: ۴) (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں)

اس آیت میں '' إِيَّاكَ ''مفعول کو مقدم لاکر عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کردیا ہے، اور اسی بات کو کلمہ توحید '' لآ إِلٰهَ إِلاَّ الله '' بیان کرتا ہے۔ عبادت کی اقسام میں سے ایک قسم ''دعا کرنا'' بھی ہے۔ بلکہ یہ تو ''عین عبادت'' ہے جس طرح کہ کتب سنن میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

الدعاء هو العبادة[1] ''دعا کرنا ہی عبادت ہے۔''

غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک وکفر ہے۔ عبادت کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے کرنا شرک وکفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴾ (المؤمنون: ۱۱۷)

(اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے ' ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے)

عربی زبان میں اسم موصول '' من '' عموم کے صیغوں میں سے ہے، جو ہر اس چھوٹی سے چھوٹی چیز کو شامل ہوتا ہے جو اس کے صلہ میں شامل ہو۔ تو اس لفظ سے ظاہر ہوا کہ جو اللہ کے ساتھ کسی کو خواہ وہ کوئی بھی ہو یا جو کچھ بھی ہو پکارے گا تو وہ کافروں میں سے ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

---

[1]) ابوداؤد، کتاب الوتر: باب الدعاء (ح ۱۴۷۹)، ترمذی: کتاب الدعوات: باب منه الدعاء مخ العبادة (ح: ۳۳۷۲)، ابن ماجہ: کتاب الدعاء: باب فضل الدعاء (ح ۳۸۲۸)

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (الجن: ۱۸)

(اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں للذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔)

اور فرمایا کہ:

﴿وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدۃ: ۷۲)

(اور مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔)

اور دعاء میں، طلب کی کئی اقسام ہوتی ہیں جیسا کہ "شدت اور سختی کو ختم کروانے کی طلب"۔ اور یہی استغاثہ ہوتا ہے اور مدد چاہنے کی طلب وغیرہ۔

۲ مردوں سے سفارش کرنے کا سوال کرنا:

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں مردوں سے طلب سفارش کرنا شرک اکبر ہے۔

﴿أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ۝ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۴۳-۴۴)

(کیا اس اللہ کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو، کیا وہ شفاعت کریں گے، خواہ ان کے اختیار میں کچھ ہو نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟ کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔)

﴿وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ (الانعام: ۵۱)

(اور اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اس (علم وحی) کے ذریعہ سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں کوئی (ایسا ذی اقتدار) نہ ہوگا جو ان کا حامی و مددگار ہو، یا ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ تقوی کی روش اختیار کر لیں)

اس موضوع کی بہت سی آیات ہیں:

تو جب سفارش کرنا صرف اللہ ہی کے بس میں ہے تو کسی کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا سفارشی کس طرح بن سکتا ہے؟ اور پھر وہ بھی ایسا جو فوت ہو چکا ہے اور جس کے اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہو؟

تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مردہ ہستی سے طلب شفاعت یا اس کا سوال کرنا شرک ٹھہرا اور قیامت کے روز محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند صرف ایسے ہی اہل توحید ہوں گے جو شرک کی جملہ انواع واقسام سے بچنے والے ہوں گے اور جو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ" کہنے میں خالص ہوں گے۔ [1]

③ قبر والوں کے لئے ذبیحہ کرنا اور نذر ماننا:

قبروں یا مزاروں یا مردوں کے لئے ذبح کرنا اور نذر ماننا شرک اکبر ہے۔

ذبح کرنا اس لئے شرک اکبر بنے گا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

(کہو! میری نماز میری قربانی (یا میری رسومات عبادت) میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔)

تو اس آیت مبارکہ کی روشنی میں جس طرح "نماز" صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اسی طرح "قربانی" یعنی ذبح کرنا بھی صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے خاص ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلیل ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر: ۲)

(پس تم اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔)

اور قربانی کرنا تو افضل ترین عبادات میں سے ہے کیوں کہ اس میں خالص اللہ کے لئے خون بہایا جاتا ہے۔ اس میں بندے کی عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور "خون بہا کر" اس کی رضا کو طلب کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ

---

[1]) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "اے اللہ کے رسول! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار کون خوش نصیب ہوگا" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوہریرہ! تمہاری احادیث کے متعلق حرص ودلچسپی دیکھتے ہوئے میرا خیال تھا کہ تجھ سے پہلے مجھ سے یہ بات کوئی نہیں پوچھے گا۔ بروز قیامت میری شفاعت کا حقدار وہ خوش نصیب ہوگا جس نے صدق دل اور خلوص نیت سے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ" کہا ہوگا۔ (بخاری، کتاب العلم: باب الحرص علی الحدیث (ح:۹۹)

ﷺ نے یوں بد دعاء دی ہے:

(لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ) (جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔)

اور ''نذر ماننا'' اس طرح شرک اکبر بنے گا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ (الدھر: ۷)

(جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی۔)

یہ آیات اس بات پر دلیل ہیں کہ نذر کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اور نذر والے کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازیں گے تو یہ بھی عبادت ہوئی اور عبادت غیر اللہ کے لئے کرنا شرک بنا(جیسا کہ مسئلہ نمبر ا کے ذیل میں دلائل کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

۴) قبروں کا طواف کرنا، انہیں ہاتھ لگانا یا متبرک سمجھنا:

یہ سب شرکیہ عمال ہیں۔ طواف کرنا تو اعلیٰ ترین عبادات میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے احترام والے گھر یعنی ''خانہ کعبہ'' کے سوا کہیں بھی جائز نہیں۔ طواف والی عبادت خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا، انہی کے ساتھ مخصوص ہے، طواف کو غیر اللہ کی خاطر کرنا یہ عبادت کو ایسے مقام پر رکھنا ہے جہاں اس کا حق نہیں بنتا، اس میں قبروں کی تعظیم ہے، اور قبروں کو ''بیت الحرام'' کے مثل ٹھہرانا ہے اور طواف جیسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے ادا کرنا ہے، اس لئے یہ شرک ہے۔

قبروں کو چھونا اور انہیں متبرک خیال کرنا یہ تو قبروں کو الہ ماننے اور ان کی تعظیم کرنے میں داخل ہے جس طرح دور جاہلیت کے مشرکین اپنے معبودان باطلہ کے ساتھ کیا کرتے تھے، تو جس آدمی نے ان قبروں کو چھوا یا متبرک خیال کیا تو اس نے ایسی چیز کی تعظیم و تکریم کی جو شرع میں مشروع نہیں تھی۔ تو اس کام کے شرک ہونے پر سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ حدیث پاک واضح دلیل ہے، وہ فرماتے ہیں:

(ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ''حنین'' کی جانب چلے جا رہے تھے اور ہمیں کفر کو چھوڑے ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی۔ راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ مشرکین ایک بیری کے درخت کے پاس اعتکاف کیے ہوئے اور اس کے ساتھ اپنے ہتھیاروں کو لٹکائے ہوئے ہیں' جسے ''ذات

انواط'' کہا جاتا تھا۔ پھر ہمارا گزر بھی ایک دوسری بیری کے پاس سے ہوا تو ہم نے یوں عرض کی: ''یا رسول اللہ! (ﷺ) ہمارے لئے بھی ان کی طرح ذات انواط مقرر فرما دیجئے۔'' تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) یہ تو وہی' پہلی گمراہ قوموں کے نقش قدم پر چلنے والی بات ہے' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم نے تو بالکل ویسا مطالبہ کر دیا ہے جیسا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا:

﴿اِجْعَلْ لَنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ١٣٨)

(ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔)''

ان نئے نئے مسلمانوں نے تو صرف ایک درخت سے تبرک حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس طلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنانے کا نام دیا ہے، اور یہی تو عین شرک ہے، تو جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اس امر کو واضح بیان فرما دیا تو انہوں نے اپنی بات سے رجوع کر لیا تھا۔ انہوں نے تو ابھی مطالبہ ہی کیا تھا تو ان کا یہ مطالبہ شرک ٹھہرا اور قبروں سے تبرک حاصل کرنا تو اس سے کہیں بڑھ کر سنگین جرم ہے یہ کیوں شرک نہ ہوگا۔ قبروں سے تبرک حاصل کرنا ان کے مطالبے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۵) زندہ غیر حاضر لوگوں سے فریادیں کرنا:

یہ عقیدہ رکھ کر کہ زندہ لوگوں کو جو کہ پاس موجود نہیں کہیں دور اپنے مقام پر ہیں۔ انہیں پکارنا اور ان سے فریادیں کرنا کہ ہمارے نفع ونقصان کے مالک ہیں اور ہماری دادرسی کرتے ہیں، یہ کام شرک اکبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ﴾ (النمل: ٦٢)

(کون ہے جو بے قرار کی دعاء سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود بھی (یہ کام کرنے والا) ہے؟)

(مزید دلائل مسئلہ نمبر ا کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔)

٦) انبیائے کرام اور صلحاء میں اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت کرنا:

انبیائے کرام اور صلحاء میں غلو سے کام لینا اور کوئی الٰہی صفات میں سے کوئی صفت ان میں ثابت کرنا مثلاً: انہیں بندگی کے لائق سمجھنا یہ ایک ایسا شرک ہے جو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ اللهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللهِ قَالَ سُبْحَانَكَ۔۔۔۔۔﴾ (المائدۃ: ١١٦)

(غرض جب (یہ احسانات یاد دلا کر) اللہ فرمائے گا کہ "اے عیسیٰ بن مریم کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی معبود بنالو"؟ تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ سبحان اللہ۔۔۔۔۔۔ یہ تو میرے لائق ہی نہیں کہ ایسا کہوں؟"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللهِ وَكِيلًا﴾ (النساء: ١٧١)

(اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کے ایک رسول تھے اور ایک کلمہ تھا جو اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔۔۔۔۔۔)

اور محمد مصطفی ﷺ نے یوں خبردار فرمایا ہے: کہ "مجھے اس طرح نہ بڑھانا چڑھانا جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بڑھایا چڑھایا تھا۔ میں تو صرف اللہ کا ایک بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔"[(١)]

۷) اولیاء اور جنوں سے خفیہ ڈرنا:

یعنی آدمی یہ تصور رکھے کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا تو ولی، یا جن مجھے مخفی طور پر نقصان پہنچائیں گے، یہ بھی بہت بڑا شرک ہے۔

اس بات پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور دلیل موجود ہے۔

---

١) بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: باب قولہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم (ح: ٣٤٤٥)

﴿إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ (۵۴) مِنْ دُونِهِ﴾ (ھود: ۵۵،۵۴)

(ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔ ہود علیہ السلام نے کہا میں اللہ کی (توحید کی) شہادت پیش کرتا ہوں۔ اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے الوہیت میں شریک ٹھہرا رکھا ہے اس سے میں بیزار ہوں۔۔۔۔)

دل ہی دل میں ڈرنا، خوف رکھنا، یہ تو دل کی عظیم عبادات میں سے ایک ہے جسے اللہ تعالیٰ کے لئے خاص رکھنا واجب ہے، پس جب بھی کوئی آدمی کسی غیر سے ایسا ڈر رکھے گا جیسا کہ اللہ سے ڈرنا چاہیے تو وہ مشرک ہو جائے گا، باقی رہا طبعی خوف تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے وہ خوف مراد ہے جو کوئی آدمی فرائض وہ واجبات میں تقصیر اور کوتاہی کرنے کی صورت میں یا پھر کسی فعل حرام کے ارتکاب کرنے کی شکل میں محسوس کرے۔ یہ ڈر اور خوف جائز نہیں ہے، گویا کہ وہ لوگوں کے باتیں بنانے اور ان کی ایذاء دہی کے خوف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے کام کو ہی ترک کر دے۔

۸) اپنی حفاظت کی خاطر شرکیہ دم جھاڑ اور تعویذ کروانا:

یعنی اپنی حفاظت کے لئے کسی شرک، شعبدہ بازی، شرکیہ دم جھاڑا کرنا اور شرکیہ تعویذات لٹکانا یہ سب شرک کا دھندہ ہے، جیسا کہ نظر بد یا حسد سے بچنے کے لئے ایسے طریقے اپنائے جاتے ہیں۔

جس طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے خود سنا ہے:

(إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ) (بے شک (شرکیہ) دم جھاڑ اور تعویذات باندھنے اور منکے وغیرہ استعمال کرنا شرک ہے)[۱]

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اس طرح بھی روایت کیا ہے:

(مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ)[۲] (جس نے کوئی تعویذ باندھا اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔)

جب کہ دم جھاڑے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر یوں فرمایا ہے:

(لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ)[۳] (اس دم جھاڑے میں کوئی حرج نہیں جس میں شرکیہ بات نہ ہو۔)

---

۱) مسند احمد (۱/۳۸۱) ابوداؤد، کتاب الطب: باب فی تعلیق التمائم (ح: ۳۸۸۳) ابن ماجہ۔ کتاب الطب: باب تعلیق التمائم (ح: ۳۵۳۰)

۲) مسند احمد (۴/۱۵۶) مستدرک حاکم (۴/۲۱۹)

۳) مسلم، کتاب السلام: باب لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک (ح: ۲۲۰۰)

اور شرکیہ دم جھاڑ اوہ ہے جس میں اللہ کے غیر سے مدد طلب کی جائے یا اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ نقصانات سے بچنے کے لئے یا نظر بد کے علاج کے لئے تعویذات باندھنے شرک اکبر تو نہیں البتہ شرک اصغر ضرور ہیں، ہاں اگر اس تعویذ میں غیر اللہ سے مدد مانگی گئی ہو یا کسی جن کو مخاطب کیا گیا ہو اور اس سے فریاد کی گئی ہو یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو تو وہ یقیناً شرک اکبر بنے گا۔ تو ان مذکورہ چیزوں کے پائے جانے کی صورت میں اسے شرک اکبر ماننا واجب ہوگا۔

۹) اٹکل لگانے والوں، کاہنوں اور جادوگروں کے پاس جانا:

یعنی چیزیں گم ہونے کی صورت میں مذکورہ افراد کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا کفر کا کام ہے:

اور یہ نبی ہدایت اور رسول رحمت ﷺ کے اس فرمان کے بموجب ہے:

﴿مَنْ أَتَى عَرَّافاً فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾[1]

(جو کوئی کسی نجومی یا غیب کی بات کو اپنے اٹکل سے بتانے والے کے پاس گیا پھر اس نے اس کی باتوں کی تصدیق بھی کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہر چیز کا کفر کر دیا۔)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت میں یوں بھی آیا ہے:

﴿مَنْ أَتَى كَاهِنًا أَوْ سَاحِرًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ﴾[2]

(جو آدمی کسی نجومی یا جادوگر کے پاس آیا اور پھر اس کی باتوں کی اس نے تصدیق بھی کی تو اس نے ہر اس چیز کا کفر کر دیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی ہے۔)

ان احادیث میں جو لفظ ''کفر'' استعمال ہوا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ (۱) کیا یہ چھوٹے درجے کا کفر ہے جس سے وہ آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا؟ (۲) یا اس میں توقف کیا جائے دونوں باتوں میں سے کچھ بھی نہ کہا جائے (الف) دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (ب) دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

---

۱) مسند احمد (۲/۴۲۹) مستدرک حاکم (۱/۸) امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح فرمایا ہے۔

۲) مجمع الزوائد (۵/۱۱۸) بحوالہ البزار (الکشف ۲۰۶۷) ''اسے امام البزار رحمہ اللہ اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے، حافظ المنذری رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے اس طرح یہ موقوف حدیث اپنے شواہد کے ہمراہ صحیح ہے''۔ بیہقی فی السنن الکبری (۸/۱۳۶) طبرانی فی الکبیر (۱۰/۹۳) مسند ابی یعلی (۵/۱۷۹ ح ۵۳۸۶) الاثری۔

پہلی بات زیادہ قوی ہے جب کہ دوسری بات امام احمد رحمہ اللہ کے نام سے منسوب ہے۔

١٠)توہم پرستی جو شرک تک لے جاتی ہے:

کھلی جگہوں یا گھروں میں، جنوں وغیرہ کو دور رکھنے کے عقیدے سے بھیڑیے کی کھال کے حصے لٹکانا شرک ہے۔

مسئلہ نمبر ٨ کے ضمن میں اس کی دلیل ملاحظہ فرمائیں:

١١) جنوں وغیرہ کے خوف کے پیش نظر، دروازے کی دہلیز پر جانور ذبح کرنا شرک ہے:

اس مسئلہ کا استدلال مسئلہ نمبر (٣، ٧) کے حوالے میں گزر چکا ہے۔

١٢)علمِ غیب یا لوحِ محفوظ کی خبریں جاننے کا دعوی کرنا کفر ہے:

اللہ تبارک وتعالی کے اس فرمان کی روشنی میں:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ (النمل: ٦٥)

(ان سے کہو! اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔)[١]

اور مزید اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان اقدس ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ٥٩)

(اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔)[٢]

---

١) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ دعوی کرے کہ رسول اللہ ﷺ غیب اور آئندہ ہونے والی بات جانتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (کہو کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالی کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا)

بخاری۔ کتاب التوحید: باب قول اللہ تعالیٰ (عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا (ح: ٧٣٨٠) مسلم کتاب الایمان: باب معنی قول اللہ عزوجل (ولقد راہ نزلہ اخری) ح ١٧٧)

٢)امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت لائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیب کی کنجیاں پانچ ہیں۔ جنہیں اللہ

اس میں ان چند صوفیاء حضرات کا یہ دعویٰ بھی شامل ہے جو کہتے ہیں کہ ان کی خاطر غیب کے پردے ہٹا دیے جاتے ہیں۔

۱۳)شرکیہ شاعری:

شرکیہ قصائد کو سننا اور ان کے مندرجات پر رضامندی اور پسندیدگی کا اظہار کرنا بھی شرک ہے۔

امام بوصیری کا ''قصیدہ بردہ شریف'' اور اس طرح کے دیگر قصائد جن میں قصیدہ نگاروں نے محمد ﷺ یا آل بیت میں سے کسی کے بارے میں یا صالحین کے متعلق غلو بیانی اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے ان میں مخلوق کے وہ اوصاف بیان کیے ہیں جو صرف اللہ عظیم وبلند کے بارے میں ہی بیان کیے جانے چاہئیں۔ اس طرح کے بعض غلو اور مبالغہ پر مبنی شرکیہ قصیدے ''محافل میلاد'' میں پڑھے جاتے ہیں۔ تو ہر آدمی کو اپنے اسلام کی حفاظت کرنے کی خاطر ایسے قصائد سے پہلو بچانا، انہیں ناپسند کرنا واجب اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شرک اور اس کے مظاہر (یعنی شرک سے آلودہ مقامات) سے محفوظ رکھے۔

۱۴)دعوی کرنا کہ ''اللہ'' کسی مقام یا ہستی میں حلول فرماتے ہیں:

اس بات کا دعویٰ کرنا کہ اللہ تعالیٰ بعض مقامات یا بعض ہستیوں میں حلول فرماتے ہیں یہ بھی کفر اکبر ہے۔

کے علاوہ کوئی نہیں جانتا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُۥ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان ۳۴) (بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور بارش کب برسے گی، اور ماؤں کے پیٹ میں جو کچھ ہے، اور کوئی بھی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور کوئی نفس یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر موت سے ہمکنار ہوگا، بیشک اللہ تعالیٰ ہی (ان تمام امور کے بارے میں) علیم وخبیر ہے)

ثانیاً

شرک کا ذریعہ بننے والے کام

اب ان کاموں کو بیان کیا جاتا ہے جو شرک تک پہنچانے والے ہیں اور شرک اصغر اور اس کی بعض حالتوں کا بیان بھی کیا جاتا ہے۔

۱) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا:

کسی بھی غیر اللہ کی، بغیر ارادہ تعظیم کے قسم کھانا، جیسے اللہ تعالی کی ارادہ تعظیم سے قسم کھائی جاتی ہے شرک اصغر ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دلیل ہے:

﴿مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ﴾[۱] (جس کسی نے بھی غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے یقیناً کفر کیا یا شرک کیا۔)

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اقدس بھی دلیل ہے:

﴿مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ﴾[۲]

(جس کسی کا قسم کھانے کا ارادہ ہو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے یا پھر خاموشی اختیار کرے۔)

یہ شرک اصغر تب ہو گا جب قسم کھانے والے کا تعظیم کا قصد نہ ہو اور اگر محلوف بہ (یعنی جس کے نام کی قسم کھا رہا ہے اس) کی تعظیم کرنے کی نیت بھی رکھے جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعظیم کی نیت کی جاتی ہے تو یہ شرک اکبر بنے گا۔ جس طرح قبر پرستوں کا اولیائے کرام اور اہل قبور کے ناموں کی، ارادہ تعظیم سے قسم کھانے کا انداز ہے۔

اور اگر ایسے الفاظ قسم کھانے کے ارادے کے بغیر ہی زبان پر آ جائیں تو یہ ’’لفظی شرک‘‘ ہو گا جس کا شمار بھی شرک اصغر کی اقسام میں ہو گا۔ تو پھر اس کا کفارہ یہ ہو گا کہ ’’ لا الہ الا اللہ ‘‘ کا کلمہ زبان سے ادا کرے۔[3] پھر ایسے غیر اللہ کے نام کی قسم کھانے والے الفاظ زبان پر نہ لانے کا عزم بھی کرے۔

---

۱) ابوداؤد، کتاب الایمان والنذور: باب کراھیۃ الحلف بالاباء (ح: ۳۲۵۱) ترمذی۔ کتاب النذور والایمان: باب ماجاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرک (ح: ۱۵۳۵) واللفظ لہ۔

۲) بخاری: کتاب الشھادت: باب کیف یستحلف؟ (ح: ۲۶۷۹) مسلم، کتاب الایمان، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ (ح: ۱۶۴۶)

۳) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ’’جس نے قسم کھاتے ہوئے لات اور عزیٰ (یعنی غیر اللہ) کی قسم کھائی تو اس کو لا الہ الا اللہ کہنا چاہیے۔ بخاری الایمان: باب لایحلف باللات والعزی (ح: ۶۶۵۰)

۲)کسی کی امانت داری یا بزرگی کی قسم کھانا:

کسی کا امانت داری، ذمہ داری یا بزرگی کی قسم کھانا شرک اصغر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اس کی دلیل ہے۔

(مَنْ حَلَفَ بِالأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا)(۱) (جس نے امانت داری کی قسم اٹھائی وہ ہم میں سے نہیں ہے)

مذکورہ بالا امور کی قسمیں کھانا رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک کی روشنی میں بھی ممنوع ہیں۔

(مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ)(۲) (جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی اس نے یقیناً کفر کیا یا شرک کیا۔)

(عربی زبان میں) حروف قسم ''ب'' ''ت'' اور ''و'' کے ساتھ قسم شمار ہوگی، ان حروف کے علاوہ اگر کسی دوسرے صرف مثلاً: ''فی'' وغیرہ کے ساتھ قسم کھائے گا تو یہ قسم نہ بنے گی۔

۳)قبروں کو سجدہ گاہ بنا لینا:

قبروں کو سجدہ گاہ بنالینا یہ بہت بری بدعت ہے اور حرام کام ہے بلکہ ان قبر والوں کو اللہ کا شریک بنالینے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ یہود و نصاری سے متعلق بددعا پر مبنی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان گرامی اس کی بنیاد ہے:

(لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ أَلاَ فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ)(۳)

(اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا' میں تمھیں اس سے منع کررہا ہوں۔)

مسلم، کتاب الایمان: باب من حلف باللات والعزی(ح: ۱۶۴۷)

[1])ابوداؤد کتاب الایمان، والنذور، باب کراھیۃ الحلف بالامانۃ(ح: ۳۲۵۳)

[2]) ابوداؤد، کتاب الایمان والنذور، باب کراھیۃ الحلف بالاباء(ح: ۳۲۵۳) ترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ماجاء فی ان من حلف بغیر اللہ فقد اشرک(ح: ۱۵۳۵) واللفظ لہ۔

[3]) پہلا جملہ متفق علیہ ہے۔ دیکھئے بخاری کتاب الجنائز: باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور(ح: ۱۳۳۰) مسلم، کتاب المساجد: باب النھی عن بناء المساجد علی القبور(ح: ۵۲۹) دوسرا جملہ صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے۔ دیکھئے مسلم حوالہ سابق(ح: ۵۳۲)

اور ہر وہ مقام جہاں نماز پڑھنے کا قصد کیا جائے وہ سجدہ گاہ بن جاتا ہے۔

۴) قبروں کے پاس نماز پڑھنا اور دعاء مانگنا:

قبروں کے پاس نماز پڑھنا اور دعاء مانگنا بدعت ہے اور شرک کا ذریعہ ہے۔

یہ کام بدعت تو تب ہی رہے گا جب قبر پر اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ صاحب قبر کو بھی پکارا جائے تو یہ پکا شرک ہوگا، اسی لئے قبروں کے پاس نماز پڑھنے کی رسول اللہ ﷺ سے نہی وارد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ»[۱] (قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھنا۔)

ایک بار سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی انہیں خبر نہ تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی فرمایا: قبر! قبر![۲] اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ»[3] (قبروں کو مسجدیں نہ بنانا)

اور مساجد میں اللہ تعالیٰ سے مانگی جانے والی دعائیں زیادہ جلد پہنچنے والی دعائیں ہوتی ہیں؟ تو اس سے معلوم ہوا کہ قبروں کے پاس دعائیں مانگنا منع ہے۔ ہاں اگر یہی دعا قبر والے کی بخشش، رحمت اور اس کی ثابت قدمی کے لئے مانگی جائے تو درست ہے، کیوں کہ سنت مبارکہ میں یہ بات موجود ہے[۴] اور قبر والے کو اس کی انتہائی زیادہ ضرورت بھی ہے کہ اس کی خاطر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے۔

---

1) مسلم، کتاب الجنائز: باب النحي عن الجلوس علي القبور والصلاة عليه (ح: ۹۷۲)

2) بخاری کتاب الصلاة: باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد تعليقا في ترجمة الباب مصنف عبد الرزاق (۱/۴۰۴) السنن الکبری للبیهقی (۲/۴۳۵)

3) مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (ح: ۵۳۲)

4) مسلم، کتاب الجنائز: باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها (ح: ۹۷۵،۹۷۴)

ثالثاً

چند بدعات اور توحید سے متعلقہ کام

۱) قبروں کی پختہ تعمیر، ان پر تحریر اور درخت لگانا:

قبروں پر تعمیر کرنا، ان پر تحریریں لکھنا اور ان کے قریب درخت لگانے، بدعات اور منکرات ہیں۔

اس پر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث دلیل ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی 'صحیح' میں روایت فرمایا ہے:

(نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ)[1]

(رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں سے روکا ہے کہ قبر کو پختہ بنایا جائے اس پر بیٹھا جائے اور اس پر کوئی عمارت تعمیر کی جائے۔)

جب کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے یہ جملہ بھی بیان کیا ہے:

(وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهِ)[2] (اور یہ کہ اس پر کوئی عبارت تحریر کی جائے۔)

اور اس جملہ کا اضافہ صحیح ہے۔

اسی طرح سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

(سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ـ صلی اللہ علیہ وسلم ـ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا)[3]

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود ان قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا۔)

ابو الھیاج الاسدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں آتا ہے کہ مجھے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسے مشن پر روانہ کروں جس پر

---

[1]) ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار وعند القبر للمیت فی وقت الانصراف (ح: ۳۲۲۱) مسلم، کتاب الجنائز، باب النھی عن تجصیص القبر والبناء علیہ (ح: ۹۷۰)

[2]) ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر (ح: ۳۲۲۶) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی کراھیۃ تجصیص القبور والکتابۃ علیھا (ح: ۱۰۵۲) نسائی، کتاب الجنائز، باب الزیادہ علی القبر (ح: ۲۰۲۹)

[3]) مسلم، کتاب الجنائز: باب الامر بتسویۃ القبر (ح: ۹۶۸)

رسول اللہ ﷺ نے مجھے روانہ کیا تھا وہ یہ کہ:

(أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ)[1]

(نہ چھوڑ تو کسی مورت و صورت کو مگر مٹا دے اسے اور نہ چھوڑ تو کسی اونچی بنی ہوئی قبر کو مگر برابر کر دے اسے)

اور ایک روایت میں یہ جملہ بھی موجود ہے:

(وَلَا صُوْرَةً إِلَّا طَمَسْتَهَا)[2] (کسی فوٹو کو مٹائے بغیر مت چھوڑنا۔)

۲) قربِ الٰہی کے لئے محافل کا انعقاد کرنا:

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے مختلف محفلوں کا انعقاد کروانا بھی غلط ہے۔ جیسے کہ محفل میلاد النبی ﷺ، محفل ہجرت، محفل ابتدائے سال ہجرت اور محفل اسراء و معراج وغیرہ۔ایسی سب محافل اور مجالس بدعت کے ضمن میں آئیں گی۔ کیوں کہ ان تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب صرف انہی طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے جو مشروع ہیں یعنی جن طریقوں کو شریعت نے مقرر فرمایا ہے، اور اللہ کی عبادت بھی صرف مشروع انداز سے ہی کی جاسکتی ہے اور دین میں ہر نیا کام بدعت ٹھہرے گا اور بدعتوں سے روکا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ ﴾ (الشوری: ۲۱)

(کیا ان لوگوں نے ایسے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔)

اور رسول اللہ ﷺ نے یوں وضاحت فرمائی ہے:

(مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ)[3]

(جس نے ہمارے اس امر یعنی دین میں کوئی نیا کام ایجاد کیا جو اس میں نہ ہو تو مردود ہے۔)

جبکہ مسلم شریف میں یہ الفاظ بھی موجود ہے:

---

[1]) مسلم، کتاب الجنائز: باب الامر بتسویۃ القبر (ح: ۹۶۹)

[2]) مسلم، حوالہ سابق

[3]) بخاری، کتاب الصلح: باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود (ح: ۲۶۹۷) مسلم کتاب الاقضیۃ: باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور (ح: ۱۷۱۸)

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)[1] (جس نے کوئی بھی ایسا کام کیا جسے کرنے کا ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہوگا۔)

مسلم شریف ہی میں یہ شرعی اصول بھی ملتا ہے:

(وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ)[2] (ہر نیا ایجاد کردہ کام بدعت ہوگا اور ہر بدعت گمراہی ہوگی۔)

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث پاک میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ)[3]

(تم میرے بعد میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھنا، بلکہ اس سنت کو اپنے دانتوں سے تھام لینا اور خاص کر نئے نئے کاموں سے بچ بچ کر رہنا اور یقین رکھنا کہ ہر نیا کام بدعت ہوگا۔)

ان کی علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو ہمیں اس دین الٰہی میں نئی ایجادات کرنے اور لوگوں کا قرب الٰہی کے حصول کی خاطر از خود ہی ایسی عبادت و اعمال گھڑ لینے سے روکنے والی ہیں۔ جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا۔

۳) سالگرہ وغیرہ منانا:

عید میلاد، عید سال نو (happy new year)، عید مادر (mother's day) اور اسی طرح کے دوسری عیدوں کا اہتمام کرنا بدعت ہے۔ ایسی عیدوں کا خلاف شرع ہونا تین اسباب کی وجہ سے ہے۔

الف: ان کا شرع میں حکم نہیں ہے اس لئے بدعت ہیں بس صرف لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی ہی میں ان کو شروع کر رکھا ہے۔ ایام عید اور پھر ان میں حاصل ہونے والی فرحت و مسرت عبادات کے زمرے میں آتی ہے۔ تو عبادت والے کے لئے کسی کام کا اپنی طرف سے ایجاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اس پر قائم رہنا اور اس پر راضی ہونا بھی جائز نہیں ہے۔

---

1) مسلم، حوالہ سابق (ح: ۱۷۱۸/۱۸)

2) نسائی، کتاب العیدین: باب کیف الخطبة (ح: ۱۵۷۹)

3) ابو داؤد، کتاب السنة: باب فی لزوم السنة (ح ۴۶۰۷) واللفظ لہ، ترمذی، کتاب العلم: باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدعة (ح: ۲۶۷۶) ابن ماجہ، المقدمة: باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین (ح: ۴۲) ""من بعدی" کے الفاظ مستدرک حاکم (۹۶/۱) کی روایت میں ہیں۔

ب: اہل اسلام کی سال بھر میں صرف دو عیدیں ہیں اس سے زائد نہیں۔ ایک عید الفطر جب لوگ ماہ صیام کے مکمل ہونے پر اظہار مسرت کرتے ہیں۔ اور عید الاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ اور اس کے بعد ایام منیٰ (گیارہ بارہ اور تیرہ ذوالحجہ)۔

امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور بہت سے دوسرے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی روایت کیا ہے:

«يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ مِنًى عِيدُنَا أَهْلِ الإِسْلاَمِ»[1]

(یوم عرفہ (ذوالحجہ کی نویں تاریخ) یوم نحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ) اور ایام منیٰ (بعد کے تین ایام) ہم مسلمانوں کے عید کے ایام ہیں۔)

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ دونوں نے رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان اقدس بھی روایت کیا ہے:

«إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهٰذَا عِيدُنَا»[2]

یعنی (ہر قوم کا کوئی نہ کوئی دن "روز عید" ہے اور ہم مسلمانوں کا یہ "روز عید" ہے۔)

"عیدنا" میں اضافت دوسرے ادیان کی عیدوں کے مقابلہ میں، ہماری عید کے خاص ہونے کی دلیل ہے۔[3]

ج: از خود ہی عیدوں کے ایام بنائے چلے جانے میں اہل کتاب اور دیگر کفار سے مشابہت ہوتی ہے جو کہ ناجائز ہے اور اس بات میں تو کوئی شک و شبہ

---

[1] مسند احمد (۱۵۲/۴) ابوداؤد کتاب الصیام، باب صیام ایام التشریق (ح: ۲۴۱۹) ترمذی کتاب الصوم: باب ماجاء فی کراھیۃ صوم ایام التشریق (ح: ۷۷۳) نسائی، کتاب مناسک الحج: باب النھی عن صوم یوم عرفۃ (ح: ۳۰۰۷) وعندھم "ایام التشریق" بدل "ایام منی" واللہ اعلم

[2] بخاری، کتاب العیدین: باب سنۃ العیدین لاھل الاسلام (ح: ۹۵۲) مسلم، کتاب صلاۃ العیدین: باب الرخصۃ فی اللعب الذی لامعصیۃ فیہ (ح: ۸۹۲)

[3] سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ (ہجرت کرکے) مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں کے (عید کے) دو دن تھے جن میں وہ کھیل کود میں مصروف رہتے تھے آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: "یہ دو دن کیسے ہیں۔" انہوں نے کہا: "دور جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں لہو لعب میں مشغول رہتے تھے۔" رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اللہ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدل دو بہتر دن عطا کیے ہیں۔" اور وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں: (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین (ح: ۱۱۳۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید اور خوشی کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور ان دو عیدوں کے علاوہ تیسری عید کا اضافہ دین میں زیادتی اور افتراء علی اللہ ہے۔ جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (ک)

ہے ہی نہیں کہ ہمیں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے بلکہ ان سے مشابہت پیدا کرنے والے راستوں سے بھی روک دیا گیا ہے۔

۴)نصف شعبان کی شب بیداری:

اس رات (یعنی سب براءت) کو بیداری کے لئے خاص کر لینا بلا دلیل ہے تو اس طرح یہ بھی جملہ بدعات میں سے ایک ہوئی۔ اس رات کے بارے میں پائی جانے والی تمام احادیث اہل علم کے نزدیک غیر صحیح ہیں۔ پھر اس رات کی بیداری، بدعت سے روکنے والی احادیث کے اعتبار سے درست نہ ٹھہری اور وہ احادیث ہر طرح کی بدعت کو شامل ہیں۔

۵)ماہ رجب کو روزوں کے لئے خاص کرنا:

یہ بھی نئی ایجادات میں سے ایک ہے، ماہ رجب کے روزوں کی فضیلت میں ایک حدیث بھی صحیح ثابت نہیں ہے بلکہ سب ضعیف ترین ہیں جن پر نہ تو اعتبار ہی ہو سکتا ہے اور نہ مسئلے کا استنباط ہی، بلکہ اس کے برعکس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس کی نہی بیان کی جاتی ہے اور اس کی سند بھی قدرے اچھی ہے۔ [1]

۶)کسی وقت کو عبادت کے لئے خاص کرنا:

دنوں یا ہفتوں یا کسی مہینے کو عبادات کے لئے بلا حکم شرعی خاص کر لینا، یہ خاص کر لینا بھی بدعات کے زمرے میں آتا ہے، کیوں کہ کسی عبادت کا کسی موسم کے ساتھ خاص کرنا یہ صرف شروع کی جانب سے ہو سکتا ہے، تو دلائل کی رو سے جس قدر کوئی عبادت والا کام مشروع کیا گیا ہے وہ کیا جائے گا اور جس عبادت کے لئے کسی بھی وقت کو خاص نہیں کیا گیا اسے خاص نہیں کیا جائے گا اپنی مرضی ہی سے اس عبادت کے لئے کوئی وقت خاص کر لینا اور پھر اسی وقت کے اندر رہتے ہوئے اس کام کو سرانجام دینا بدعات میں سے شمار ہوگا۔

۷)عبادت غیر شرعی طریقہ سے کرنا:

کسی بھی عبادت والے کام کو، جس سے قرب الٰہی حاصل کیا جا سکتا ہے اسے غیر شرعی بنیادوں پر کرنا ایسے انداز عبادت بھی بدعات میں شمار ہوں گے اور

---

[1]) مصنف ابن ابی شیبۃ(۳/۱۰۳) مجمع الزوائد(۳/۱۹۱) بحوالہ طبرانی فی الاوسط۔

بدعات تو شریعت میں نبی کریم ﷺ کے فرمان (وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ)[1] (اور ہر بدعت گمراہی ہے) کے بموجب مذموم ہیں۔ اور ہر ایسا انداز عبادت جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہو لیکن وہ انداز خود ساختہ ہو وہ گمراہی اور ضلالت ہی ٹھہرے گا۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ دینی معاملات میں کوئی بھی بدعت حسنہ (اچھی) نہیں بلکہ سب کی سب سیئہ (بری) ہی ہیں۔ ان بدعات کو سرانجام دینا اور ان پر کاربند رہنا جائز نہیں ہے، ہر طرح کی خیر تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ ہائے عبادات میں ہے یا پھر جو طریقے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پائے اور سیکھے ہیں، ان میں ہے۔

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی لائق توجہ ہے:

(کُلُّ عِبَادَۃٍ لَمْ یَتَعَبَّدْھَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) فَلَا تَعْبُدُوْھَا فَاِنَّ الاَوَّلَ لَمْ یَتْرُکْ لِلْاٰخِرِ مَقَالاً)[2]

---

[1]) مسلم، کتاب الجمعۃ: باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ (ح: ۸۶۷)

[2]) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل واقعہ بھی قابل غور ہے:

اس کی ترجمانی کرنے والا سیدنا عبداللہ بن مسعود کا واقعہ ہے کہ وہ دین میں بعد میں ایجاد شدہ امر دیکھ کر کس قدر کڑھتے تھے، ناپسند کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے:

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد (کوفہ) میں ایک نیا کام ہوتا دیکھ کر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ چند لوگ مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک ان میں سے کہتا ہے: کَبِّرُوْا مِائَۃً سو دفعہ اللہ اکبر پڑھو۔ پھر وہ سو بار پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے سَبِّحُوْا مِائَۃً سو بار سبحان اللہ پڑھو، وہ سب مل کر سو بار پڑھتے ہیں، یہ خبر سن کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موقع پر پہنچ گئے اور ان لوگوں پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''تم یہ کیا کر رہے ہو؟'' وہ بولے: اے ابا عبدالرحمن! ہم سنگریزوں پر تکبیر، تہلیل ور تسبیح شمار کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم ان پر اپنی برائیاں شمار کرو۔ نیکیوں کا میں ضامن ہوں کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ! تم کس قدر جلد برباد ہو رہے ہو۔ ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی بوسیدہ نہیں ہوئے، ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یا تو تمہارا طریقہ محمد ﷺ کے طریقے سے بہتر ہے یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔'' وہ بولے: ''اے ابا عبدالرحمن! ہم تو خیر کا ارادہ رکھتے ہیں (یعنی ثواب کی نیت سے ہم تکبیر، تہلیل اور تسبیح پڑھ رہے ہیں) عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ''ہاں ہاں! نیکی کا ارادہ رکھنے والے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو (بوجہ احداث اور ابتداع کے) نیکی حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر آپ ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے۔'' (مسند دارمی، مسند ۶۷۔۷۹)

(عبادت الٰہی کا ہر وہ انداز اور طریقہ جسے اصحاب محمد ﷺ نے نہیں اپنایا تم اسے اختیار نہ کرنا کیوں کہ پہلوں نے بعد میں آنے والوں کے لئے کسی بھی بات کی کمی نہیں چھوڑی۔)

اور کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

وَكُلُّ خَيْرٍ فِيْ اِتِّبَاعِ مَنْ سَلَفْ
وَكُلُّ شَرٍّ فِيْ ابْتِدَاعِ مَنْ خَلَفْ

''اسلاف کے نقش قدم کی پیروی میں خیر ہی خیر ہے، اور پچھلوں کی بدعتوں پر عمل پیرا ہونے میں شر ہی شر ہے۔''

غور فرمائیں کہ مسجد کے اندر یہ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھے اللہ کا خالص ذکر کر رہے ہیں۔ صحابیٔ رسول ﷺ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر ناراض ہوئے۔ کیونکہ اس ہیئت میں یعنی حلقہ باندھ کر مسجد میں بیٹھ کر کنکریوں پر ذکر الٰہی کرنا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نہ ہوا تھا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منع کرنے پر انہوں نے کہا کہ ہم نیک کام کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہاں نیک کام ہی احداث اور ابتداع کی صورت میں برباد ہو جاتے ہیں۔

حضرات! آج بھی جتنی بدعتیں جاری ہیں، جب ان سے منع کیا جاتا ہے تو اہل بدعت یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نیک کام کر رہے ہیں۔

خبر دار! یاد رکھیں کہ نیک کام صرف وہی ہے جو ختمی مرتبت ﷺ نے کیا، یا کرنے کو کہا۔ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا، نہ کرنے کو فرمایا، نہ اس کا وجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھا وہ کام ہر گز ہر گز نیک نہیں ہو سکتا۔ اس کام کو ہی بدعت کہتے ہیں۔ پھر ایجاد کردہ نیک کام سے بچو!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے مسجد میں حلقہ باندھ کر کنکریوں پر تسبیحیں پڑھنے پر ذاکرین کو روکا اور ڈانٹا۔ مسلمان بھائیو! سوچو کہ بالفرض اگر وہ صحابی رسول ﷺ آج آجائیں اور عرسوں، قوالیوں، تیجوں، دسووں، چالیسووں، ختموں، درودوں، مولودوں، گیارہویوں، کونڈوں اور صدہا اور بدعتوں کو دیکھیں تو کیا کریں گے؟

بھولیے نہیں، کہ بدعت ہوتا ہی نیک کام ہے اور یہ نیک کام بدعت قرار پا کر اس لئے مردود اور بدعتی سزاوار عذاب ہو جاتا ہے کہ اس نیک کام پر مہر محمد ﷺ نہیں ہوتی۔ یہ سکہ مدینہ کی ٹکسال سے ڈھلا نہیں ہوتا۔

مسائل طہارت میں خطائیں

۱)وضوء کی ابتداء میں نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا:

یہ درست نہیں ہیں، کیوں کہ نیت کرنے کا مقام و محل صرف دل ہے، اس کے لئے زبان سے الفاظ کی ادائیگی ہمارے نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت نہیں۔ شرعی نیت تو صرف یہ ہے: ''وضوء کرنے والا صرف اپنے دل میں یہ نیت کرے کے یہ وضوء نماز پڑھنے کے لئے اور قرآن پاک کو چھونے کے لئے یا اسی طرح کسی دوسرے کام کے لئے کر رہا ہے'' بس یہی نیت ہے یا یوں سمجھ لیں!

''عبادت کی ادائیگی کے لئے دل کا ارادہ''

مزید یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے وضوء والی عبادت کی ابتدا صرف ''بسم اللہ'' سے کرنے کی ترغیب دی ہے۔[1] کسی اور چیز سے نہیں، تو وضوء کی ابتدا نیت کے جہری الفاظ سے کرنا نبی اکرم ﷺ کے حکم اور شریعت کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

۲)وضوء و غسل کے احکام میں سستی کرنا:

وضوء اور شرعی غسل کرنے میں بے توجگی اور اپنی طہارت یا احکام طہارت کی معرفت میں تساہل و سستی برتنا۔ ایک مسلمان کو حتی المقدور ان کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ کیوں کہ طہارت، وضوء اور غسل کا اہتمام، ہر بے وضوء اور بے طہارت آدمی کی صحت نماز کے لئے شرط ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے واجب کی تکمیل (یعنی غسل یا شرط کی ادائیگی یعنی وضوء کرنے) میں کوتاہی اور سستی کا مرتکب ہو گا تو اس کی نماز ہی درست نہ ہو گی۔

سیدنا لقلیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کو رسول معظم ﷺ نے یوں حکم دیا تھا: (اَسْبِغِ الْوُضَوْءَ) کہ ''وضو کو مکمل کر۔'' اس حدیث پاک کو اصحاب السنن رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[۲] اور بخاری و مسلم صحیحین میں یوں بھی آتا ہے۔

---

[1]) نسائی، کتاب الطھارۃ: باب التسمیۃ عند الوضوء (ح: ۷۸) بلفظ ''توضوا بسم اللہ''

[2]) ابو داؤد کتاب الطھارۃ: باب فی الاستنثار (ح: ۱۴۲) ترمذی۔ کتاب الصوم: باب ماجاء فی کراھیۃ مبالغۃ الاستنشاق للصائم (ح: ۷۸۸) نسائی۔ کتاب الطھارۃ: باب المبالغہ فی الاستنشاق

﴿وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ﴾[1]　　(ایڑیوں کے لئے آگ سے بربادی ہو گی۔)

کیوں کہ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو کبھی کبھار بھولے سے خشک رہ سکتی ہے تو اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں کے سوا دوسرے اعضائے وضوء کے لئے بھی یہی حکم ہے۔[2] وضوء والے تمام اعضاء پر اچھی طرح پانی بہانا واجب ہے ماسوائے سر کے مسح کے، اس میں صرف سر کے اکثر حصے کا، کانوں سمیت مسح ایک بار ہی کافی ہو گا۔ اور کانوں کا مسح ایک مرتبہ ہی کافی ہو گا کیوں کہ یہ کان بھی تو سر ہی کا حصہ ہیں۔

جس طرح یہ بات فرمان پیغمبر ﷺ سے ثابت ہے:

﴿الأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ﴾[3]　　(دونوں کان سر کا حصہ ہیں۔)

اس لئے ہر ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ وضوء کے احکام کو سیکھئے تین تین مرتبہ اعضاء وضوء کو دھو کر کامل مستحب وضوء کرے۔ اپنے نبی کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی وضوء کرنے میں پیروی کرتا رہے۔ تاکہ اس طرح اسے نماز سے فوائد و ثمرات حاصل ہو سکیں۔ جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے صحیح سند سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ فرمان نبوی ﷺ روایت کیا ہے:

﴿مَنْ أَتَمَّ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ تَعَالَى فَالصَّلَوَاتُ الْمَكْتُوبَاتُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ﴾[4]

(جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وضوء کو مکمل کیا تو فرض نمازیں (اس کے لئے) دوسری نماز تک کے (کے گناہوں) کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں۔)

وضوء کو مکمل کرنے کی فضیلت میں اور گناہوں کے لئے کفارہ بننے میں بہت سی احادیث مبارکہ وارد ہے۔

(ح۸۷) ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ: باب تخلیل الاصابع (ح: ۴۴۸) صحیح ابن خزیمۃ (۷۸/۱، ح: ۱۵۰)

[1]) بخاری، کتاب الوضوء باب غسل الاعقاب (ح: ۱۶۵)

[2]) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے وضوء کیا اور اس کے پاؤں پر ایک ناخن جتنی جگہ خشک رہ گئی۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس کو دیکھا تو اس سے فرمایا" ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ" (لوٹ جا اور اچھی طرح وضوء کر)۔ چنانچہ وہ پلٹا اور دوبارہ وضوء کر کے نماز پڑھی۔ (مسلم کتاب الطھارۃ، باب وجوب استیعاب جمیع اجزاء محل الطھارۃ (ح: ۲۴۳) اس حدیث سے اچھی طرح دھیان کے ساتھ وضوء کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

[3]) ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب الاذنان من الراس (ح: ۴۴۳-۴۴۵)

[4]) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ (ح: ۲۳۱)

۳)اعضائے وضوء کو تین بار سے زائد دفعہ دھونا:

وضوء کرتے ہوئے تین بار سے زائد اعضائے وضوء کو دھونے میں وسوسے اور شک پیدا ہوتے رہنا۔

یہ شیطانی وسوسہ اندازی سے ہوتا ہے، جب کہ اعضائے وضوء کو رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ سے زائد کبھی نہیں دھویا۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں رسول اکرم ﷺ کے وضوء فرمانے کی بابت موجود ہے کہ آپ نے تین تین بار اعضائے وضوء کو دھویا۔(۱) لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے وضوء کو مکمل کر لینے کے بعد وسوسوں اور شکوک و شبہات کا شکار نہ ہو۔ اور شیطانی وساوس کو دور کرتے ہوئے تین بار سے زائد کبھی بھی پانی استعمال نہ کرے۔(۲)

۴)پانی بہانے میں اسراف کرنا:

اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان مبارک کا عمومی معنی لیتے ہوئے پانی استعمال کرنے میں اسراف بھی منع ہے۔

﴿ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾ (الانعام: ۱۷۱)

(اور اسراف سے کام نہ لو یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔)

اس بارے میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی موجود ہے کہ وہ وضوء کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ کا ان کے پاس سے گزر ہوا

---

[1]) بخاری کتاب الوضوء، باب الوضوء، ثلاثا ثلاثا (ح: ۱۵۹)

[2]) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے وضوء کے طریقے کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے وضوء میں تین بار اعضاء کو دھویا اور فرمایا:

(هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدَّى أَوْ ظَلَمَ)

(وضوء اسی طرح ہے پس جس شخص نے اس پر زیادتی کی (تین مرتبہ سے زیادہ دھویا) تو اس نے غلط کیا اور (حد سے) تجاوز کیا اور اپنے آپ پر ظلم کیا۔)

(نسائی، کتاب الطهارة، باب الاعتداء فی الوضوء (ح: ۱۴۰) ابن ماجہ، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء (ح: ۴۲۲))

توآپ نے فرمایا:

''وضو میں پانی کے استعمال میں اسراف نہ کرو، تو وہ عرض کرتے ہیں: ''کیا وضوء میں پانی استعمال کرنے میں بھی اسراف ہوتا ہے؟'' تو آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''

(وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ)[1] (خواہ تو بہتے دریا پر ہی کیوں نہ ہو۔)

۵)بیت الخلاء میں اللہ کا ذکر کرنا:

بیت الخلاء میں اللہ کا ذکر کرنا یا کوئی ایسی چیز لے کر داخل ہونا جس میں اللہ کا ذکر تحریر ہو۔ یہ بھی مکروہ ہے۔ مسلمان کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے کہ پاس سے ایک آدمی کا گزر ہوا اس نے آپ کو سلام کہا، آپ نے اس کا جواب نہ دیا۔[2]

۶)سر کا مسح ایک بار سے زیادہ کرنا:

یہ بھی نبی اکرم ﷺ کے طریقے کی خلاف ورزی ہے، آپ ﷺ تو سر مبارک کا مسح صرف ایک بار ہی کرتے تھے، جیسا کہ سیدنا علی ﷺ سے، نبی اکرم ﷺ کے وضوء کے بیان میں ثابت ہے:

---

1) مسند احمد (۲/۲۲۱) ابن ماجہ کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، (ح: ۴۲۵)

اس کی سند عبداللہ بن یزید کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

صحیحین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک صاع سے لے کر پانچ مد پانی سے غسل کرتے تھے، اور ایک مد پانی کے ساتھ وضوء کرتے تھے۔

(بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء بالمد (ح: ۲۰۱) مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ (ح: ۳۲۵)

ایک مد ۳/۴ لیٹر تک ہوتا ہے جب کہ صاع تقریباً ۳ لیٹر کے برابر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اسراف نہ کیا جائے البتہ طہارت و نظافت حاصل ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم۔

2) مسلم، کتاب الحیض، باب التیمم (ح: ۳۷۰)

(وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً)[1] (اور آپ (ﷺ) نے اپنے سر مبارک کا مسح ایک بار ہی فرمایا۔)

امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی صحیح سند سے اسے روایت کیا ہے۔ بلکہ امام ابو داؤد نے یہاں تک لکھا ہے کہ سر کے مسح کی بابت، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تمام صحیح احادیث صرف ایک بار ہی مسح کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔[2]

۷) گردن کا مسح کرنا:

یہ بھی خطاء اور غلطی ہے بلکہ بعض علماء نے تو اسے بدعات میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔[3] اس سلسلے میں جو مرویات ہیں وہ منکرات اور موضوعات کے درجے کی ہیں۔[4] اگر کسی عالم نے گردن کا مسح لکھا بھی ہے تو اس پر حدیث کی عدم صحت مخفی رہی ہوگی۔ اس لئے گردن کا مسح کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے دین اور شریعت کی حفاظت کرنے کے لئے ایسے کاموں سے خبردار اور آگاہ رہنا چاہیے۔

۸) موزوں پر مسح کرنا:

موزوں کی نچلی جانب کا مسح یا موزوں کے اندر جرابوں پر بھی مسح کرنا یہ خطاء اور جہالت ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف موزے کے اوپر ہی مسح فرمایا ہے، جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ، امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے:

(رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى ظُهُوْرِ الْخُفَّيْنِ)[5]

---

1) ابو داؤد کتاب الطھارۃ، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ (ح: ۱۱۱) ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی وضوء النبی ﷺ کیف کان؟ (ح: ۴۸، ۴۹) نسائی، کتاب الطھارۃ: باب غسل الوجہ (ح: ۹۲)

2) ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ بحث حدیث (۱۰۸)

3) نیل الاوطار (۱/۱۶۳)

4) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ للالبانی (۱/۹۹)

5) مسند احمد (۲/۲۴۷) ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، باب کیف المسح (ح: ۱۶۱)، ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین ظاھرھما (ح: ۹۸)

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کی اوپر والی جانب ہی مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح نقل فرمایا ہے: ''اگر دین رائے اور عقل کے مطابق ہوتا تو موزوں پر مسح اوپر والی جانب کی نسبت نیچے والی جانب زیادہ افضل ہوتا جب کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر صرف بالائی جانب مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔[۱]

۹) ہوا خارج ہونے سے استنجا کرنا:

ہوا خارج ہونے سے استنجا نہیں ہے، بلکہ یہ تو پیشاب اور پاخانے کے بعد ہوتا ہے۔ تو جس کی ہوا خارج ہو اس پر وضوء کرنے سے قبل استنجا کرنا لازم نہیں ہے، جس طرح کہ بعض لوگ ایسے کر رہے ہیں۔ کیونکہ شرعی دلائل میں ہوا خارج ہونے کی وجہ سے استنجا کرنا وارد نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ملتی ہے کہ ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔[۲] اللہ تعالیٰ کا اس آسانی عطا فرمانے پر شکر ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہوا خارج ہونے پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں استنجا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس کے ذمے صرف وضوء کرنا ہے۔''[۳]

---

[1]) ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب کیف المسح (ح: ۱۶۲)

[2]) بخاری، کتاب الوضوء، باب لاتقبل صلاۃ بغیر طھور (ح: ۱۳۵)

[3]) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ (ح: ۲۲۵)

نماز پائی جانے والی خطائیں

۱) بالکل نماز کو ترک کر دینا:

یہ کفر ہے(اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے) قرآن وحدیث اور اجماع امت کے دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں۔

قرآن پاک سے دلیل، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اقدس:

﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ﴾ (التوبۃ: ۱۱/۹)

(پس اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں)

دوسری مقام پر یوں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ (۴۲) قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴾ (المدثر: ۷۴/۴۲۔۴۳)

(تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟'' وہ کہیں گے ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔۔۔۔۔۔'')

اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ حدیث پاک سے دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» [1]

(مسلمان آدمی اور شرک وکفر کے مابین (حد فاصل) صرف نماز ترک کرنا ہے۔)

اصحاب السنن نے سیدنا بریدہ بن الحصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی فرمان رسول اللہ ﷺ یوں قلمبند فرمایا ہے:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» [2]

(ہمارے اور ان (کافروں مشرکوں) کے درمیان جو عہد ہے وہ صرف نماز والا ہے، تو جس نے اسے ترک کر دیا تو یقیناً اس نے کفر کیا۔)

---

[1]) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ (ح: ۸۲)

[2])ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ (ح: ۲۶۲۱) ،نسائی، کتاب الصلاۃ، باب الحکم فی تارک الصلاۃ، (ح: ۴۶۴) ،ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب ماجاء فیمن ترک الصلاۃ (ح: ۱۰۷۹)

امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے [1] اور یہ حدیث صحیح ہے۔

اجماع امت سے دلیل، عبداللہ بن شقیق یوں فرماتے ہیں:

«كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لاَ يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ إِلاَّ الصَّلاَةِ» [2]

(اصحاب محمد ﷺ اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کرنے کو کفر خیال نہ کرتے تھے ماسوائے نماز کے۔)

۲) نماز کو وقت سے مؤخر کرنا:

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک کی مخالفت ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: ۴/۱۰۳)

(نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔)

''موقوت'' کا معنی یہ ہے کہ جو کام وقت کے حساب سے مقرر کیا گیا ہو، تو کسی عذر کے بغیر نماز کو اس کے وقت مقررہ سے لیٹ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«تِلْكَ صَلاَةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَىِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لاَ يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلاَّ قَلِيلاً» [3]

(اور ایسی نماز تو منافق کی نماز ہے، جو بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے (یعنی غروب کے قریب جا پہنچتا ہے) تو کھڑا ہو کر کوے کی طرح چار ٹھونگیں مارتا ہے۔ (یعنی جلدی جلدی سجدے کرتا ہے) ان چار رکعات میں اللہ تعالیٰ کو برائے نام یاد کرتا ہے۔)

جب ایسی نماز منافق کی نماز ہوئی، تو اس آدمی کی نماز کیسی ہو گی جو بلا عذر ہی نماز کا سارا وقت گزار کر پڑھتا ہے؟ بلکہ کئی ایک علماء کرام نے تو یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ جس آدمی نے فرضی نماز کا وقت نکال کر، اسے پڑھا اور اس کا وقت پورا کرنے کا ارادہ بھی نہ تھا تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔''

---

[1] مسند احمد (۵/۳۴۶) صحیح ابن حبان (۱۴۵۴) مصنف ابن ابی شیبۃ (۳۴/۱۱) مستدرک حاکم (۱/۶۔۷) وغیرھا من کتب الاحادیث۔

[2] ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلاۃ (ح: ۲۶۲۲) مستدرک حاکم، (۱/۷) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

[3] مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالعصر (ح: ۶۲۲)

۳) نماز باجماعت ادا کرنے میں سستی کرنا:

باجماعت نماز میں شریک ہو سکنے والے آدمیوں کا، باجماعت نماز کو ہمیشہ یا بعض اوقات ترک کرنا، نماز کے متعلق حکم یہ ہے کہ اسے مساجد میں باجماعت ادا کیا جائے جماعت میں شامل ہونا واجب ہے سوائے اس آدمی کے جسے کوئی شرعی عذر باجماعت نماز سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

(مَنْ سَمِعَ النِّدَآءَ ثُمَّ لَمْ يُجِبْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ)[1]

(جس نے اذان سنی پھر وہ باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے نہ آیا تو اس کی نماز نہ ہوگی ماسوائے عذر شرعی کے۔)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے قوی سند سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہے: کہ اس کی سند امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے بنیادی دلیل ہے:

﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (البقرة: ۴۳/۲)

(اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو)

متفق علیہ (یعنی صحیح بخاری و مسلم کی) حدیث پاک کے الفاظ اس طرح ہیں:

(ثُمَّ أُخَالِفُ إِلَى رِجَالٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ)[2]

(پھر میں ان لوگوں کے پاس چلا جاؤں جو فرضی نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوئے انہیں گھروں سمیت ہی جلا کر راکھ کر دوں۔)

۴) نماز میں عدم طمانیت:

یہ ایسی مصیبت ہے جو عام ہو چکی ہے حالانکہ یہ واضح نافرمانی ہے۔ کیوں کہ طمانیت، نماز کا ایک رکن ہے جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ مسی الصلاۃ والی

---

[1]) ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، ح: ۷۹۳۔ مستدرک حاکم (۲۴۵/۱)

[2]) بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ (ح: ۶۴۴، ۲۴۲۰) ، مسلم کتاب المساجد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنھا، (ح: ۶۵۱)

حدیث [1] اس بات پر ظاہر و باہر دلیل ہے اور طمانیت کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی اپنے رکوع، قومہ، سجدے اور جلسہ میں ایسا اطمینان پائے اور اتنی دیر لگائے کہ اس کی

[1] بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا (ح: ۷۵۷)، مسلم کتاب الصلاۃ: باب وجوب القراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ (ح: ۳۹۷) عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث مسی الصلاۃ امت مسلمہ کے نزدیک بڑی ہی معرکۃ الاراء اور میزان علم میں بڑی وقعت کی حامل رہی ہے۔ یہ حدیث اپنی مکمل شکل میں کسی بھی روایت میں موجود نہیں اس لئے ذیل میں اسے افادہ عالم کے لئے مکمل شکل میں سارے ضروری الفاظ کے ساتھ درج کیا جارہا ہے۔

حدیث ''المسیٔ صلاتہ'' اور اس کا ترجمہ:

رفاعہ بن رافع اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز مسجد نبوی میں بیٹھے تھے اور ہم لوگ بھی آپ کے گرداگرد بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک دیہاتی جیسا انسان مسجد میں در آیا، اور قبلہ کا استقبال کر کے نبی ﷺ کے قریب دو ہلکی رکعتیں بغیر رکوع اور سجود کے اتمام کے ادا کیں۔ اور نماز ادا کرنے کے بعد آ کر نبی ﷺ اور بقیہ لوگوں سے سلام کیا۔

تو نبی ﷺ نے ''وعلیکم السلام'' کے بعد اسے فرمایا کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیوں کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں، پس اس نے جا کر پہلے جیسی پھر نماز پڑھی اور نبی ﷺ اسے بغور دیکھنے لگے، لیکن وہ نہیں جان سکا کہ اس سے نماز میں کیا خطاء ہو رہی ہے۔

پس جب نماز پوری کر چکا تو اس نے پھر آ کر نبی ﷺ اور بقیہ لوگوں سے سلام کیا، تو نبی ﷺ نے ''وعلیکم السلام'' کہنے کے بعد پھر اس سے فرمایا کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، اس طرح اس شخص نے تین بار نماز کو دہرایا۔

وہ ہر بار آتا اور نبی ﷺ سے سلام کرتا اور نبی ﷺ ''وعلیکم السلام'' کہنے کے بعد ارشاد فرماتے کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو، کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، پس لوگ خوفزدہ ہو گئے اور ان پر یہ بات گراں گزری کہ جو ہلکی نماز پڑھے اس کی نماز ہی نہ ہو تو اس شخص نے کہا کہ میں نہیں جان سکا کہ مجھ سے نماز میں کیا غلطی ہو رہی ہے۔ اس ذات کی قسم! جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا، مجھے اس سے بہتر نماز پڑھنے کا ڈھنگ نہیں آتا، میں نے تو اپنی پوری کوشش صرف کر دی اب آپ ہی مجھے بتائیں اور سکھائیں، کیونکہ میں ایک انسان ہوں خطاء اور صواب دونوں ہی کا مجھ سے امکان ہے۔

تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ: سنو! جب نماز کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضوء کرو، کیونکہ جب تک حسب ارشاد باری تعالیٰ اچھی طرح وضوء نہ کیا جائے تب تک کسی کی نماز نہیں ہوتی، یعنی وہ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور سر کا مسح کرے اور اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھوئے۔

ہڈیاں اپنے اپنے مقام پر سیدھی ہو جائیں اور ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف اتنی جلدی منتقل نہ ہوں یہاں تک کہ اسے اطمینان مل جائے اور اس کا ہر جوڑا اپنے ٹھکانے پر سیدھا ہو جائے، اور نبی اکرم ﷺ نے اس مسی الصلاۃ (جلد بازی کرنے والے) کو عدم طمانیت کی بناء پر یوں فرمایا تھا۔

﴿ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ﴾ [1] (واپس پلٹ اور نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔)

سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مسی الصلاۃ میں الفاظ اس طرح بھی موجود ہیں:

آپ نے فرمایا: پھر اذان دے کر اقامت کہو، اور جب قبلہ رخ کھڑے ہو تو، ''اللہ اکبر'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تمجید بیان کرو۔ پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور (سورت یا آیات ملا کر) پڑھو۔

اور ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر قرآن میں سے وہ پڑھے جس کی اسے اجازت دی گئی ہو اور آسان ہو، اور اگر قرآن یاد نہ ہو تو ''الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ'' کہا کرو۔

پھر ''اللہ اکبر'' کہتا ہوا اس طرح رکوع کرے کہ اس کے سارے جوڑوں کو اطمینان و سکون حاصل ہو جائے اور جب تم رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھو اور اپنی پیٹھ دراز رکھو۔ پھر ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتا ہوا اس طرح سیدھا کھڑا ہو کہ ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں پر لوٹ آئیں۔

پھر ''اللہ اکبر'' کہہ کر سجدہ ریز ہو۔

اور اپنے چہرے اور پیشانی کو زمین پر اچھی طرح رکھے کہ اس کے جسم کے جوڑوں کو بالکل سکون و اطمینان حاصل ہو جائے۔ پھر ''اللہ اکبر'' کہتا ہوا اپنا سر سجدہ سے اٹھا کر اپنے مقعد پر ٹھیک طور سے بیٹھ جائے۔ اور ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے: جب تم اپنا سر سجدے سے اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ۔

پھر ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد سجدہ ریز ہو اور اپنا چہرہ اس طرح زمین پر رکھے کہ اس کے جسم کے ہر جوڑ کو اطمینان و سکون حاصل ہو جائے، پھر اپنا سر اٹھائے اور ''اللہ اکبر'' کہے، اور ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے: جب تم درمیان نماز بیٹھو تو اطمینان سے اپنی بائیں ران پر بیٹھ کر تشہد کیا کرو، اور ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے: پھر جب اس کے بعد کھڑے ہو تو ایسے ہی کرنا یہاں تک کہ تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ۔

اس طرح نبی ﷺ نے چار رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا، اور فرمایا کہ: جس نے ایسا نہ کیا اس کی نماز کامل نہ ہو گی، اور جب ایسا کرے گا تو اس کی نماز کامل ہو گی۔

اور اگر اس میں کسی قسم کی کوئی کمی کرو گے تو اسی کے بقدر تمہاری نماز میں کمی واقع ہو گی۔

[1]) بخاری کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا (ح: ۷۵۷) مسلم، کتاب الصلاۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ (ح: ۳۹۷)

﴿ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ فَيَضَعُ كَفَّيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهُ وَتَسْتَرْخِيَ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَيَسْتَوِيْ قَائِمًا حَتّٰى يَاْخُذَ كُلُّ عَظْمٍ مَاْخَذَهُ﴾[1]

(پھر وہ اللہ اکبر کہتا' اور رکوع کرتا' اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھتا یہاں تک کہ اس کے جوڑ مطمئن ہو جاتے اور ڈھیلے ڈھالے ہو جاتے' پھر کھڑے ہوتے ہوئے یوں کہتا (سمع اللہ لمن حمدہ) اور اس طرح سیدھا کھڑا ہو جاتا کہ اس کی ہر ہڈی اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتی۔)

۵) نماز میں خشوع کا فقدان اور حرکات کی بہتات کا رجحان:

خشوع کا دل میں اہتمام کیا جاتا ہے جب کہ اعضاء کے سکون اور عدم حرکت سے اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی وانکساری پیش کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی اسی خوبی کی بنا پر یوں تعریف فرمائی ہے:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (المومنون: ۲/۲۳) (جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔)

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی بایں الفاظ مدح فرمائی ہے:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۹۰)

(یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔)

لہٰذا بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے اعضاء کو سکون میں رکھے وہ اپنے دل میں خشوع اختیار کرے تاکہ اسے نماز کا پورا پورا اجر وثواب مل سکے، جیسا کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ میں نے رسول کرم ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

'' آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے لیکن اسے نماز سے صرف دسواں حصہ ثواب ملتا ہے یا پھر نواں حصہ، آٹھواں، حصہ، ساتواں حصہ، چھٹا حصہ، پانچوں حصہ، چوتھا حصہ، تیسرا حصہ، یا پھر آدھا حصہ ثواب ملتا ہے۔''[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود (ح: ۸۵۷،۸۵۸) ترمذی کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی وصف الصلاۃ (ح: ۳۰۴)، نسائی، کتاب التطبیق، باب الرخصۃ فی ترک الذکر فی السجود (ح: ۱۱۳۷)

[2] ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی نقصان الصلاۃ، (ح: ۷۹۶) اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ امام نسائی رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

اور اجر وثواب میں کمی کی وجہ نمازی کے دل میں خشوع کا فقدان اور ہاتھوں کی انگلیوں یا دیگر اعضاء سے حرکات کرتے رہنا ہے۔

۶)نماز میں امام سے سبقت لے جانا یادانستہ اس کی مخالفت کرنا:

یہ چیز نماز کو یا اس رکعت کو باطل کردینے والی ہے، جس نے اپنے امام سے قبل رکوع کرلیا تو اس کی وہ رکعت باطل ہوگئی۔ مگر اس صورت میں رکعت ہوسکتی ہے کہ امام کے پیچھے دوبارہ رکوع کرلے یعنی جب امام سلام پھیر لے تو یہ کھڑا ہو اور امام سے پہلے رکوع کرنے والی رکعت دوبارہ لوٹائے۔ اسی طرح نماز کے باقی ارکان کا معاملہ ہے۔ نمازی آدمی پر اپنے امام کی متابعت اور پیروی کرنا اور اس کی اقتداء میں رہنا واجب ہے۔ لہٰذا اس سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہی کسی ایک رکن یا زیادہ سارکان میں اس سے پیچھے ہی رہے۔ یہ اس لئے ہے جو امام ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ ﷺ سے بیان کردہ فرمان رسول اللہ (ﷺ) روایت کیا ہے:

﴿إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَلَا تُكَبِّرُوْا حَتَّى يُكَبِّرَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَلَا تَرْكَعُوْا حَتَّى يَرْكَعَ﴾[1]

(امام تو صرف اس لئے بنایا جاتا ہے کہ تاکہ اس کی پیروی اور اقتداء کی جائے: پس جب وہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہے تو تم بھی تکبیر کہو، تم اس کی تکبیر کہنے سے قبل تکبیر مت کہو' اور جب وہ رکوع میں جھک جائے تب تم بھی رکوع میں جھکو اور اس کے رکوع میں جانے سے پہلے رکوع میں مت جانا۔۔۔۔) الحدیث

(اس حدیث کی اصل بخاری ومسلم میں ہے[2] اور امام بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔)[3]

جب کہ بھول جانے والا اور مسئلے سے ناآشنا قابل معافی ہیں۔

۷)امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی کھڑے ہونا:

فوت شدہ رکعات کو پورا کرنے کے لئے امام کے دوسرا سلام پورا کرنے سے پہلے ہی کھڑے ہو جانا۔

---

1)ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب الامام یصلی من قعود(ح: ۶۰۳)

2) بخاری، کتاب الاذان، باب ایجاب التکبیر وافتتاح الصلاۃ(ح: ۷۳۴) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ائتمام الماموم بالامام(ح: ۴۱۴)

3)بخاری حوالہ سابق(ح: ۷۳۲) مسلم حوالہ سابق(ح: ۴۱۱)

۸) نماز شروع کرتے وقت نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا:

یہ بدعت ہے اور بدعات کے حرام ہونے پر قرآن وسنت سے دلائل قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی نماز کی نیت کو جہراً نہیں پڑھا۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ ''زاد المعاد'' یا ''الھدی النبوی'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''آپ (ﷺ) جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے، اس سے قبل آپ کچھ بھی نہ پڑھتے اور کبھی بھی آپ ﷺ نے نیت کے الفاظ زبان سے نہیں بولے۔ اور نہ آپ نے کبھی یوں ہی کہا ہے کہ: ''میں اللہ تعالیٰ کے لئے فلاں نماز پڑھنے لگا ہوں، قبلہ کو منہ کرنے والا ہوں، رکعات کی تعداد چار ہے، میں امام ہوں یا مقتدی اور نہ ہی کبھی آپ ﷺ نے یوں ہی کہا ہے: کہ نماز ادا ہے یا قضاء اور نہ کبھی وقت نماز کا نام لیا۔ اس طرح یہ تقریباً دس بدعتیں بنتی ہیں، رسول اللہ ﷺ سے کسی نے بھی ان میں سے ایک لفظ بھی بیان نہیں کیا، بلکہ کسی صحابی سے بھی ایسا منقول نہیں ہے، اور نہ ہی تابعین میں سے کسی نے اسے مستحسن قرار دیا ہے اور نہ ہی چاروں اماموں نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہے۔ کسی صحیح سند سے اور نہ ہی کسی ضعیف سند سے مسند اور نہ مرسل ہے۔۔۔۔۔[1]

۹) نماز میں سورۃ الفاتحہ کی قراءت نہ کرنا:

اس کا پڑھنا، نماز کا رکن ہے جس نے سورۃ الفاتحہ کی قراءت نہ کی اس کی نماز درست نہیں ہوگی، نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی وجہ سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«مَنْ صَلَّى صَلاَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ» . ثَلاَثًا غَيْرُ تَمَامٍ[2]

(جس نے کوئی بھی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ کی قراءت نہ کی تو وہ نماز ''خداج'' ہوگی تین بار آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ یعنی پوری نہ ہوگی۔)

جب کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث بھی موجود ہے۔

---

1) زاد المعاد (۱/۲۰۱)

2) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ (ح: ۳۹۵)

«لاَ صلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»[1]

(جس نے سورہ الفاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔)

امام احمد، امام ابو داؤد، اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے فرمان پیغمبر ﷺ یوں بھی بیان کیا ہے:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ» . قُلْنَا نَعَمْ ـ قَالَ: «لاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»[2]

(شاید کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے عرض کی، جی ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے سورۃ الفاتحہ کے نہ پڑھا کرو، کیوں کہ جس نے یہ سورت نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔)

۱۰) رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنا:

یہ بھی منع ہے جیسے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے:

«أَلاَ وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا»[3]

(خبردار! مجھے رکوع یا سجدے کی حالت میں قراءت قرآن سے روک دیا گیا ہے)

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے:

«نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا»[4]

(مجھے رسول اللہ ﷺ نے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔)

---

[1]) بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ الامام والماموم فی الصلوات کلھا (ح: ۷۵۶) م مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ (ح: ۳۹۴)

[2]) مسند احمد (۵/۳۲۲) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب (ح: ۸۲۳) ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام (ح: ۳۱۱)

[3]) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النھی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود (ح: ۴۷۹)

[4]) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النھی قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود (ح: ۴۸۰)

۱۱)دورانِ نماز نگاہیں اِدھر اُدھر گھمانا:

حالت نماز میں نگاہ کو آسمان کی جانب اٹھانا، یا پھر بلاضرورت ہی دائیں بائیں نگاہوں کو پھیرتے رہنا۔

نگاہ کو آسمان کی جانب بلند کرنے سے روکا گیا ہے بلکہ اس کے مرتکب کو وعید بھی سنائی گئی ہے، جیسا کہ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی ﷺ بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

«لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُوْنَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ»[1]

(جو لوگ حالت نماز میں اپنی نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں انہیں باز آجانا چاہیے یا پھر ان کی نگاہیں واپس نہ کی جائیں گی۔)

باقی رہی بات نماز میں بلاضرورت دائیں بائیں مڑنے کی، جب وہ کسی جانب مکمل طور پر نہ مڑے تو اس سے بندے کی نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے، اور اگر کسی جانب مکمل طور پر التفات کرے تو اس سے نماز ہی باطل ہو جائے گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حالت نماز میں التفات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ»[۲]

(یہ تو دھوکے سے جھپٹا مارنا ہے، جسے شیطان بندے کی نماز سے دھوکہ دیتے ہوئے جھپٹنے کی کوشش کرتا ہے۔)

جب کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے یوں بیان کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے:

«إِيَّاكَ وَالِالْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ هَلَكَةٌ»[۳]

(تو نماز میں دائیں بائیں مڑنے سے بچ کر رہ، کیوں کہ یہ تو باعث ہلاکت ہے)

التفات کے بارے میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔

---

[1]) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النهی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ (ح: ۴۲۸)

[2]) بخاری کتاب الاذان، باب الالتفات فی الصلاۃ (ح: ۷۵۱)

[3]) ترمذی، کتاب الجمعۃ، اب ماذکر فی التفات فی الصلاۃ (ح: ۵۷۹) اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ لیکن اوپر روایت اس کی شاہد ہے۔ یعنی تائید کرتی ہے۔

۱۲)نماز میں اقعاء کرنا یا سجدے کی حالت میں بازؤوں کو بچھانا:

اقعاء سے بھی منع کیا گیا ہے(اقعاء سے مراد بیٹھنے کی ایسی حالت ہے کہ آدمی اپنی سرینوں پر بیٹھ کر اپنی رانیں اور پنڈلیاں کھڑی رکھے) جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل یعنی رسول اللہ ﷺ نے تین کام کرنے سے روکا ہے:

۱)مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنے سے(یعنی جلدی جلدی سجدے کرنے سے)

۲)کتے کی طرح اقعاء کرنے سے۔

۳)لومڑی کی طرح التفات(دائیں بائیں دیکھنے) سے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے نمازیں آدمی کو سجدے میں اپنے بازو اس طرح بچھانے سے منع فرمایا ہے جس طرح کوئی درندہ بچھاتا اور پھیلاتا ہے۔ مسلم شریف میں موجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث[2] کا یہی اختصار ہے۔ جب کہ ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث پاک اس طرح ہے۔

﴿إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَعْتَدِلْ وَلاَ يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ﴾[3]

(تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اعتدال سے کرے اور کتے کی مانند اپنے بازو نہ بچھائے۔)

۱۳)ایسے باریک کپڑے پہننا جن سے ستر پوشی بھی نہ ہو:

ایسے باریک کپڑے زیب تن کرنے والے کی نماز باطل ہوتی ہے کیوں کہ ستر پوشی صحت نماز کے لئے شرط ہے، صحیح موقف کے مطابق مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک قابل پردہ حصہ ہے۔اسی طرح ایک کندھا یا دونوں کندھوں کو ڈھانپنا بھی واجب ہے۔[4] اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی روشنی میں:

---

[1] مسند احمد(۲/۳۱۱) امام المنذری رحمہ اللہ اور امام الہیثمی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

[2] مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ(ح: ۴۹۸)

[3] مسند احمد(۳/۳۱۵) ترمذی کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود(ح: ۲۷۵) ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات، باب الاعتدال فی السجود(ح: ۸۹۱)

[4] رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''تم میں کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کوئی چیز نہ ہو(یعنی کندھے ڈھانپے ہوئے ہوں''

﴿یَا بَنِی آدَمَ خُذُوا زِینَتَکُمْ عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱/۷)
(اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔)

صرف ایک ہی کپڑا جو ستر ڈھانپ لینے کے ساتھ ساتھ کندھوں کو بھی ڈھانپ لے کفایت کر جاتا ہے۔ جس طرح سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جس کے کناروں کو آپ نے کندھوں پر بھی رکھا ہوا تھا۔ یہ روایت متفق علیہ ہے[1] امام ابن قدامہ رحمہ اللہ یوں رقم طراز ہیں:

"ایسے کپڑے جو انسانی بدن کی رنگت کو چھپا دیں وہ پہننے واجب ہیں۔ لیکن ایسے کپڑے جو بہت ہلکے اور باریک ہوں جن کے پہننے کے باوجود بدن کی سرخی یا سفیدی نظر آتی ہو ان میں نماز جائز نہیں، کیونکہ ان سے مقصود (ستر پوسی) حاصل نہیں ہوا۔"[2]

۱۴) عورت کا اوڑھنی کے بغیر نماز پڑھنا:

عورت کا حالت نماز میں سر پر دوپٹہ نہ لینا یا پاؤں کو نہ ڈھانپنا۔ عورت کا پورا جسم ہی ماسوائے چہرے کے نماز کے دوران ڈھانپنا ضروری ہے اگر مردوں کے قریب سے گزرنے یا کسی دوسری وجہ سے عورت اپنے چہرے کو بھی ڈھانپ لے تو پھر بھی کوئی حرج کی بات نہیں(بلکہ ضروری وواجب ہے) بہر حال اسے ایسا دوپٹہ اوڑھنا جو سر اور سینے کو ڈھانپ سکے واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان گرامی کی وجہ سے:

«لاَ یَقْبَلُ اللهُ صَلاَةَ حَائِضٍ إِلاَّ بِخِمَارٍ»[3]

(اللہ تعالیٰ جوان بالغہ عورت کی نماز کو دوپٹے کے بغیر قبول نہیں فرماتے۔)

بخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیہ (ح: ۳۵۹) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی ثوب واحد وصفۃ لبسہ (ح: ۵۱۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سر ڈھانپنا ضروری اور نہ ہی شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے۔ اگر سر ڈھانپنا ضروری ہوتا تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ ضرور بیان فرماتے۔

1) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی الثوب الواحد ملتحفا بہ (ح: ۳۵۶،۳۵۵) مسلم کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی ثوب الواحد وصفۃ لبسہ (ح: ۵۱۷)

2) المغنی (۲/۲۸۶۔۲۸۷)

3) مسند احمد (۶/۲۱۸) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب المراۃ تصلی بغیر خمار (ح: ۶۴۱)، ترمذی کتاب الصلاۃ، باب ماجاء لا تقبل صلاۃ المراۃ الحائض الا بخمار (ح: ۳۷۷) ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، باب اذا حاضت الجاریۃ لا تصل الا بخمار (ح: ۶۵۵) صحیح ابن خزیمۃ (ح: ۷۵۵)

درج ذیل حدیث کی بنا پر قدموں کو ڈھانپنا بھی واجب ہے۔

﴿اَلْمَرْاَۃُ عَوْرَۃٌ﴾[1]

(عورت کا پورا وجود قابل ستر ہے۔)

اسی مفہوم کی ایک روایت امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے محمد بن زید بن قنفذ سے روایت کی ہے، جسے انہوں نے والدہ سے بیان کیا ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تھا کہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا تھا کہ دوپٹے اور ایسے لمبے قمیص میں نماز پڑھے جو پاؤں کی بالائی سطح کو بھی ڈھانپ لے۔[2]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی اسی معنی و مفہوم میں ہے:

﴿یُرْخِینَهُ ذِرَاعًا﴾[3] (کہ عورتیں ایک ہاتھ تک اپنی چادر لٹکائیں (تاکہ پاؤں چھپ جائیں اور نظر نہ آئیں۔)

۱۵) نمازی کے سامنے سے گزرنا اور گردنیں پھلانگنا:

نمازی کے آگے سے گزرنا خواہ وہ منفرد ہو یا امام اور جمعہ کے روز گردنوں کو پھلانگ کر آگے جانا۔

نمازی اور اس کے سترہ کے درمیان میں سے گزرنے والا گنہگار ہوتا ہے اگر اس نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو اور نمازی کو سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ سترہ کے پیچھے سے گزرا جا سکتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں نے سیدنا ابو جھیم بن الحارث رضی اللہ عنہ سے مروی فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

﴿لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾[4]

"اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اسے کتنا زیادہ گناہ ہوگا تو وہ اس کے آگے سے گزرنے کی نسبت چالیس

---

[1]) ترمذی، کتاب الرضاع، باب (۱۸) استشراف الشیطان المراۃ اذا خرجت (ح: ۱۱۷۳)

[2]) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی کم تصلی المراۃ (ح: ٦۳۹) علامہ البانی صاحب نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابو داؤد مشکاۃ البانی ۱/۲۳۸)

[3]) ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی جر ذیول النساء (ح: ۱۷۳۱) نسائی کتاب الزینۃ، باب ذیول النساء (ح: ۵۳۳۸)

[4]) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب اثم المار بین یدی المصلی (ح: ۵۱۰) مسلم کتاب الصلوۃ، باب منع المار بین یدی المصلی (ح: ۵۰۷)

(دن' ماہ' سال) تک وہاں کھڑا رہنے کو زیادہ بہتر سمجھے) باقی رہا خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنے والا معاملہ' تو یہ لوگوں کو اذیت پہنچانے والا ہے' جبکہ لیٹ وہ خود ہوا ہے' رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی ایک آدمی سے یوں فرمایا تھا:

﴿اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَآنَيْتَ﴾ [1] (یہیں بیٹھ جاؤ تو نے تکلیف پہنچائی ہے جب کہ خود تو ابھی آرہا ہے۔)

اس لئے گردنوں کو پھلانگنا منع ہے، مسجد میں داخل ہونے والا اگر ذرا آگے کشادگی پائے تو بلا اذیت پہنچائے وہاں چلا جائے و گرنہ مجلس کے آخر ہی میں بیٹھ جائے۔[2]

١٦) حالتِ رکوع میں شامل ہونے والے کا تکبیر چھوڑنا:

امام کے ساتھ حالت رکوع میں شامل ہونے والے کا تکبیر تحریمہ چھوڑنا۔ یہ بھی غلط ہے کیوں کہ تکبیر تحریمہ کہنا نماز کا ایک رکن ہے۔ نمازی پر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنا واجب ہے، اس کے بعد امام کے ساتھ حالت رکوع میں داخل ہو اور یہی تکبیر تحریمہ ہی، تکبیر رکوع کی جگہ کام آسکتی ہے، اور اگر تکبیر تحریمہ اور رکوع کی طرف جانے والی تکبیر الگ الگ کہہ لے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے جس طرح کی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر جب رکوع کو جاتے تو پھر تکبیر کہتے" [3]

١٧) امام کو حالت تشہد یا سجدہ میں پاکر پیروی نہ کرنا:

مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے یہ بہترین حل ہے کہ امام کو جس حالت میں پائے، سجدے میں یا کسی اور حالت میں اس کے ساتھ شامل ہو جائے، جس طرح کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی روایت کیا ہے:

---

[1]) مسند احمد،(٤/١٨٨) واللفظ لہ ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ(ح: ١١١٨) نسائی کتاب الجمعۃ، باب النھی عنت خطی رقاب الناس(ح: ١٤٠٠)

[2]) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو ہمیں جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے (یعنی گردنیں پھلانگ کر آگے نہ بڑھتے بلکہ مجلس کے آخر میں ہی قریب ہو کر بیٹھ جاتے) ابوداؤد کتاب الادب، باب فی التحلق (ح: ٤٨٢٥) ترمذی، کتاب الاستئذان، باب(٢٩) فی الثلاثۃ الذین اقبلوا فی مجلس۔۔۔۔۔۔۔(ح: ٢٧٢٥)

[3]) بخاری، کتاب الاذان، باب التکبیر اذا قام من السجود (ح: ٧٨٩)

﴿إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا﴾[1]

(جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم سجدے کی حالت میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ۔)

ایسے آدمی کا سجدے میں ساتھ شامل نہ ہونا، اللہ کی اس (سجدے والی) پسندیدہ اور محبوب ترین عبادت سے محروم رہنا ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں حکم دیا۔

﴿إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلاَةَ وَالإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ﴾

(جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے تو جس حالت میں امام کو پائے اسی حالت میں شامل ہو جائے۔)[2]

اس حدیث کا معنی و مطلب پہلے والی حدیث کا ہی ہے۔ ابو داؤد میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس کو تقویت دے رہی ہے:

﴿لاَ أَرَاهُ عَلَى حَالٍ إِلاَّ كُنْتُ عَلَيْهَا. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ مُعَاذًا سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً كَذَلِكَ فَافْعَلُوا﴾[3]

(میں نے معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے والی حالت پر ہی دیکھا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: بے شک معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے اب سے تم بھی اسی طرح ہی کرنا۔)

۱۸) نماز کے بجائے دوسرے کاموں میں مشغول رہنا:

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آدمی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہا ہے خواہش نفس کی پیروی اور دنیاوی کاموں کی مصروفیت کو اطاعت الٰہی پر فوقیت دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت برت رہا ہے۔ یہ تو اس آدمی کے لئے وبال اور خسارے کا سامان ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلاَ أَوْلاَدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (المنافقون: ۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔)

---

[1]) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع (ح: ۸۹۳)

[2]) ترمذی، کتاب الجمعۃ، باب ماذکر فی الرجل یدرک الامام وھو ساجد کیف یصنع (ح: ۵۹۱)

[3]) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب کیف الاذان (ح: ۵۰۶)

اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ (النور: ۳۷)

(ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز وادائے زکوۃ سے غافل نہیں کر دیتی' وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پھرا جانے کی نوبت آ جائے گی۔)

کوئی بھی کام جو نماز سے مشغول کر دے یا سستی وغفلت کی طرف لے جائے جیسا کہ رات کو زیادہ دیر تک جاگتے رہنا یا ایسے ہی دوسرے کام تو یہ حرام کی طرف لے جانے والے اسباب ووسائل بھی حرام ہوتے ہیں۔اور صرف اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت بخشنے والے ہیں۔

١٩)لباس یا گھڑی وغیرہ کو بے مقصد ہاتھ لگانا:

یہ کام خشوع کے منافی ہے جیسا کہ ہم ابھی مسئلہ نمبر ۵ کے ضمن میں خشوع کے دلائل ذکر کر آئے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے تو خشوع کے منافی ہونے کی وجہ سے دوران نماز کسی کنکری وغیرہ کو چھونے سے بھی منع فرمایا ہے،آپ کا فرمان گرامی ہے:

«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ»[1]

(جب تم میں سے کوئی نماز میں ہو تو کسی کنکری وغیرہ کو مت چھوئے کیوں کہ رحمت الٰہی اس کے سامنے آ رہی ہے۔)

کبھی کبھار تو ایسی بے مقصد اور لایعنی حرکات نماز سے ہی نکال دیتی ہیں تو اس صورت میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔

---

[1])مسند احمد (۵/۱۵۰) ابو داؤد کتاب الصلاۃ، باب مسح الحصا فی الصلاۃ (ح: ۹۴۵) ، صحیح ابن حبان (۲۲۷۳) ابن خزیمہ (۹۱۳) ترمذی (۳۷۵) شرح السنۃ (٦ ۶۳) بلوغ المرام شیخ البانی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابو داؤد)

اس کی شاہد سیدنا معیقیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز پڑھتے ہوئے کنکریوں کو مت ہٹاؤ اور اگر ضروری کرنا ہو تو صرف ایک بار ایسا کرو" ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مسح الحصا فی الصلاۃ (ح: ۹۴٦) وھو متفق علیہ بلفظ مختلف انظر بخاری (۱۲۰۷) مسلم (۵۴٦) اس کی سند مین ابو الاحوص کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں درض کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اسی طرح ابن خزیمہ اور حافظ ابن حجر نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ترمذی اور امام بغوی نے اس کو حسن قرار دیا ہے اور اس کا بخاری (۱۲۰۷) اور مسلم (۵۴٦) میں اس کا شاہد ہے۔(م ر)

۲۰) نماز میں بلاضرورت ہی آنکھوں کو بند کرنا:

اور یہ مکروہ ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں'' نماز میں آنکھوں کو بند رکھنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نہیں ہے، البتہ فقہاء کے مابین اس کے مکروہ ہونے میں کچھ اختلاف ہے۔

۱) امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا یہودی کرتے تھے۔

۲) فقہاء کی ایک جماعت نے اسے مکروہ سمجھنے کی بجائے مباح سمجھا ہے اور یوں کہتے ہیں'' کہ بعض اوقات خشوع کے حصول کی خاطر ایسا ہو سکتا ہے کیوں کہ یہی خشوع تو دراصل نماز کی روح، اس کا مخفی راز اور مقصود و مطلوب ہے''

امام ابن القیم کے بقول پھر راہ اعتدال یہ ہے:

'' اگر آنکھوں کو کھلا رکھنا خشوع میں خلل انداز نہیں ہوتا تو یہ افضل عمل ہے، اگر نمازی کے خشوع کے درمیان قبلہ کی جہت میں تحسین و تزئین یا آرائش وغیرہ جیسی کوئی چیز دل کی تشویش وغیرہ کا سبب بنے تو آنکھوں کو بند کر لینا بالکل مکروہ نہیں ہوگا۔ ایسی حالت میں اسے مباح سمجھنے والوں کا موقف اصول شریعت اور مقاصد شرع تک پہنچنے کے لئے دوسرے کراہت والے موقف سے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔''[۱]

۲۱) نماز میں کھانا، پینا یا ہنسنا:

فرضی نماز کے دوران کھانا یا پینا بالاجماع نماز کو باطل کر دینے والا ہے۔ امام ابن المنذر رحمہ اللہ اس طرح رقم طراز ہیں:

'' اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نمازی کو کھانا یا پینا منع ہے، اور مستند علماء کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جس نے عمداً (دانستہ) فرضی نماز کے دوران کچھ کھا یا پی لیا وہ نماز کو دوبارہ پڑھے۔''[۲]

اسی طرح امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے ہنسنے کی وجہ سے نماز کے باطل ہونے پر بھی اجماع نقل فرمایا ہے۔

---

[1]) زادالمعاد (۱/۲۹۴)

[2]) المغني (۲/۴۶۲)

۲۲)زیادہ بلند آواز سے قراءت کرنا:

اتنی بلند آواز سے قراءت کرنا جس سے آس پاس والوں کو تشویش لاحق ہو، نمازی کا اپنے آپ کو سنا لینا تو مستحب ہے لیکن کسی دوسرے نمازی یا کسی قرآن کی تلاوت کرنے والے کو جہری قراءت سے پریشان کرنا جائز نہیں ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ دونوں نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یوں روایت نقل کی ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی اور دوران نماز ایک آدمی کو سورۃ الاعلی پڑھتے ہوئے سنا' نماز سے فارغ ہونے پر آپ نے دریافت فرمایا: کہ "تم میں سے پڑھنے والا کون ہے؟" ایک آدمی بولا: میں ہوں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں سمجھا تھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے جھگڑ رہا ہے۔"[1]

تو علماء کرام نے اس کلام سے نمازی کے لئے بلند آواز سے پڑھنے کو ناپسند سمجھا ہے۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یوں لکھتے ہیں:

"اگر کوئی آدمی قرآن کی تلاوت کر رہا ہو اور باقی لوگ نفلی نماز میں مصروف ہوں تو اسے اتنی بلند آواز سے تلاوت نہیں کرنی چاہیے کہ انہیں بھی مشغول کردے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے پاس تشریف لائے جو سحری کے وقت نمازیں پڑھ رہے تھے تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! تم میں سے ہر کوئی اپنے رب سے سرگوشی میں مصروف ہے لہٰذا کوئی بھی بلند آواز سے قراءت نہ کرے۔"[2]

۲۳)نمازیوں کا مزاحمت کر کے ایک دوسرے کو تنگ کرنا:

اور یہ بھی اذیت کی وجہ سے منع ہے، نمازی کو وہاں کھڑے ہو جانا چاہیے جہاں پر جگہ ختم ہو رہی ہے۔ہاں اگر اس سے آگے جگہ نظر آتی ہو اور وہاں

---

[1]) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب نھی الماموم عن جھرہ بالقراءۃ خلف امامہ (ح: ۳۹۸) و تفرد بہ۔

[2])موطا امام مالک (۱/۸۰) کتاب الصلاۃ، باب العمل فی القراءۃ (ح: ۲۸) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلاۃ اللیل (ح: ۱۳۳۲) و قول ابن تیمیۃ رحمہ اللہ "فی" مجموع فتاوی ابن تیمیۃ (۲۳/۶۴)

تک آسانی سے پہنچنا بھی ممکن ہے تو وہاں پر چلا جائے[١] جمعہ کے روز خاص طور پر اس طرح آگے بڑھنا یہ بھی منع ہے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے صفوں کو کراس کرتے ہوئے آدمی کو یوں فرمایا تھا:

«اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَیْتَ وَاٰنَیْتَ»[2]

(یہاں پر ہی بیٹھ جا' تو نے تکلیف پہنچائی ہے جب کہ ابھی (دیر سے) آیا ہے۔)

٢٤)صفوں کو برابر نہ کرنا:

اللہ تعالیٰ نے نماز کو قائم رکھنے کے لئے یوں حکم دیا ہے:

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ﴾ (النور:٥٦) (اور نماز قائم کرو۔)

اور رسول اللہ ﷺ نے یوں حکم دیا ہے:

«سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ»[3]

(اپنی صفوں کو برابر کرو کیوں کہ صفوں کو برابر کرنا اقامت صلاۃ میں سے ہے۔)

امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی روایت بیان کی ہے:

«لَتُسَوُّوْنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْلَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ»[٤]

---

[1]) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلے اگلی (پہلی) صف کو مکمل کرو، پھر اس کے بعد والی کو پورا کرو۔ اور اگر کوئی کمی وغیرہ ہے تو وہ پچھلی صف میں ہونی چاہیے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف (ح: ٦٧١) نسائی، کتاب الامامۃ: باب الصف المؤخر (ح: ٨١٩)

اور جو شخص صف کو ملاتا (پورا کرتا) ہے تو اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جو صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے (اپنی رحمت سے) ملائے گا۔''

ابوداؤد، حوالہ سابق (ح: ٦٦٦) نسائی (ح: ٨٢٠) اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر اگلی صف میں جگہ ہو تو پیچھے والوں کی نماز نہیں ہوتی۔

[2])مسند احمد (٤/١٨٨) واللفظ لہ، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ (ح: ١١١٨) نسائی، کتاب الجمعۃ، باب النھی عن تخطی رقاب الناس (ح: ١٤٠٠)

[3])بخاری، کتاب الاذان، باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ (ح: ٧٢٣) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف (ح: ٤٣٣)

[4])بخاری، کتاب الاذان، باب تسویۃ الصفوف عند الاقامۃ وبعدھا (ح: ٧١٧) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف (ح: ٤٣٦)

(تم ضرور اپنی صفوں کو برابر کیا کرو و گرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے درمیان اختلاف پیدا کر دے گا۔)

بہت سی احادیث میں صفوں کو برابر کرنے کا حکم اور اس کی ترغیب آئی ہے۔

۲۵) دورانِ سجدہ قدموں کو اٹھانا:

یہ بھی حکم کی خلاف ورزی ہے جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

(أُمِرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءَ، وَلاَ يَكُفَّ شَعَرًا وَلاَ ثَوْبًا اَلْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ)[١]

(نبی اکرم ﷺ کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم ملا ہے' اسی طرح بالوں اور کپڑوں کو بھی نہ سمیٹیں (سات اعضاء یہ ہیں) پیشانی (ناک سمیت) دونوں ہاتھ 'دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔)

نمازی آدمی کو دونوں قدموں پر سجدہ کرنے کا حکم ملا ہے، اور اس کی کامل و مکمل صورت یہ ہے کہ نمازی اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے۔[٢]

ہر قدم میں سے کم از کم ایک عضو یعنی ایک انگلی کو زمین پر ضرور لگائے رکھنا یہ آخری درجہ ہے، اگر اس نے حالت سجدہ میں ایک قدم کو بھی زمین سے اٹھائے رکھا تو اس کا سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔ (کیوں کہ سات اعضاء حالت سجدہ میں پورے نہ ہوئے۔)

۲۶) دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھتے ہوئے نحر تک بلند کر لینا:

اور یہ خلاف سنت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھتے ہوئے سینے پر باندھتے تھے[٣] یہ حدیث ضعیف طرق سے مروی ہے لیکن ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہوئے درجہ حسن تک آ پہنچتی ہے۔ تو اس حدیث سے ماحصل یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں کو ''وسط صدر'' یا ''قرب قلب'' باندھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قلب بھی تو صدر (سینے) ہی میں واقع ہے۔

---

[1]) بخاری، کتاب الاذان، باب السجود علی سبعۃ اعظم (ح: ٨٠٩)

[2]) سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو (زمین پر) اسی طرح رکھتے کہ بازو نہ تو زمین پر بچھے ہوتے اور نہ ہی جسم کے ساتھ ملے ہوتے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوتیں۔ (بخاری، کتاب الاذان، باب سنۃ الجلوس فی التشھد (ح: ٨٢٨)

[3]) عن وائل بن حجر صحیح ابن خزیمۃ (ح: ٤٧٩) عن ھلب الطائی رضی اللہ عنہ مسند احمد (٢٦٦/٥ ز)

﴿وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ۲۲/٤٦)

(-----۔ مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔)

دونوں ہاتھوں کو سینے سے بھی اوپر ''نحر'' یعنی حلق تک لے جانا خطاء ہے، اور خلاف سنت بھی ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر: ۱۰۸/۲) کی تفسیر میں جو علی رضی اللہ عنہ سے ہاتھ باندھنے کی بابت بیان کیا جاتا ہے۔ وہ ضعیف ہے قابل حجت نہیں۔

۲۷) سجدے کو جاتے ہوئے یا اس سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرنا:

یہ اس مشہور سنت مبارکہ کے خلاف ہے جو اکثر صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے منقول ہے۔ جنہوں نے رفع الیدین کے مقامات و مواقع کو بیان کیا ہے۔ مسلمان کو صرف اسی معروف سنت رسول کا ہی التزام کرنا چاہیے۔اور نماز میں رفع الیدین کے صرف چار مقامات ہیں:

۱) تکبیر تحریمہ کے ساتھ۔

۲) رکوع کرتے وقت۔

۳) رکوع سے اٹھنے کے بعد

۴) تیسری رکعت کے لئے قیام کے بعد

جس طرح کہ شیخین (امام بخاری و امام مسلم رحمہا اللہ) نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے کندھوں کے برابر تک رفع الیدین فرماتے، پھر جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، اور جب رکوع سے سر کو اوپر اٹھاتے،[1] بخاری شریف ہی کی دوسری روایت میں یوں ہے:

(وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يَسْجُدُ وَلَا حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ)[2]

(جب سجدہ فرماتے تو یوں نہ کرتے اور جب سجدے سے سر کو اوپر اٹھاتے تب بھی ایسے نہ کرتے یعنی رفع الیدین نہ کرتے۔)

---

[1]) بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواء (ح: ۷۳۵)

[2]) بخاری، کتاب الاذان، باب الی این یرفع یدیہ؟ (ح: ۷۳۸)

اور مسلم شریف میں الفاظ اس طرح ہیں:

﴿وَلَا يَفْعَلُهُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ﴾[1]

یعنی (جس وقت آپ سجدے سے سر کو اوپر اٹھاتے تو یوں نہ کرتے۔)

نافع رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

﴿كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ . وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى نَبِيِّ ﷺ﴾[2]

(جب وہ دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما اس فعل کو نبی اکرم ﷺ کی جانب منسوب کرتے۔)

ان چاروں مقامات پر رفع الیدین کرنا کئی ایک احادیث سے صحیح ثابت ہے۔[3]

۲۸) نماز میں عدم طمانیت اختیار کرنا:

بعض ائمہ کا نماز پڑھانے میں جلدی کرنا اور عدم طمانیت کا اظہار کرنا اور مقتدی کو نماز میں اطمینان لینے اور سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا موقع نہ دینا۔ خصوصاً آخری رکعات میں۔

امام اپنی نماز کی خوبصورتی کا، پیش امام ہونے کی وجہ سے، مسئول ہے۔ سنت کا متلاشی رہنا اس پر لازم و واجب ہے۔ طمانیت کا اظہار نماز کا رکن رکین ہے۔[4] امام و پیشوا ہونے کی وجہ سے اس اطمینان کی اہمیت اس کے لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی نماز کا رکن ہے اس لئے مقتدی کو اس کے پڑھنے کا موقع دینا امام پر واجب ہے۔ طمانیت اور قراء فاتحہ کے رکن ہونے کے دلائل (مسئلہ نمبر ۴ اور مسئلہ نمبر ۹ میں) گزر چکے ہیں۔

---

1) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین۔۔۔ (ح: ۳۹۰/۲۲)

2) بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین (ح: ۷۳۹)

3) سجدوں میں رفع الیدین کرنے کی روایت سنن نسائی میں سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لیکن اس کی سند میں قتادہ راوی مدلس ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔ اس عدم تصریح سماع کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے اور بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایات میں اس کے خلاف مروی ہے۔ کما مر

4) حدیث مسیٔ الصلاۃ اس کی واضح دلیل ہے، جو کہ پچھلے صفحات میں مکمل گزر چکی ہے۔

۲۹)سجدہ میں ساتوں اعضاء زمین پر رکھنے کا اہتمام نہ کرنا:

ساتوں اعضاء(پیشانی ناک سمیت، دونوں ہاتھوں کے اندرونی حصے دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیوں) پر سجدے کا اہتمام نہ کرنا۔

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے:

﴿إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ: وَجْهُهُ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ﴾(۱)

(جب بندہ سجدہ کرتا ہے' تو اس کے ساتھ سات اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں اس کا چہرہ' دونوں ہتھیلیاں' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔)

(صاحب المنتقی رحمہ اللہ اور امام المزی رحمہ اللہ نے بھی مسلم شریف کے حوالے سے نقل کیا ہے) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی پر۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنے ناک کی طرف اشارہ فرمایا۔ دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں پر۔(۲)

کچھ لوگ سجدے کی حالت میں پیشانی اور ناک کو زمین پر نہیں ٹکاتے یا اپنے قدموں کو زمین سے اٹھا لیتے ہیں۔ یا اپنے ہاتھوں کو زمین پر درست نہیں رکھتے۔ یہ سب امور شرعی حکم کی خلاف ورزی ہیں۔

۳۰)احکام صلاۃ کی معرفت میں بے اعتنائی برتنا:

مسلمان کو جو کرنا چاہیے یہ اس کی مخالفت ہے۔ کیونکہ نماز ہی تو عملی ارکان اسلام میں سے سب سے اہم عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۷۸)(اور نماز کو قائم کرو) ستر (۷۰) آیات میں ایسا ہی حکم ہے، تو احکام صلاۃ کی واقفیت اور معرفت کے بغیر اس کو قائم رکھنا ممکن ہی نہیں۔ اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت کو جانے بغیر یہ ممکن ہے احکام نماز کی معرفت کے ضمن میں، شروطِ نماز، ارکانِ نماز، واجباتِ نماز، باجماعت نماز کے احکام، سجدہ سہو کے مسائل وغیرہ سب شامل ہیں، جن سے عدم واقفیت اسلام کو گوارا نہیں۔ ان مذکورہ احکامات کی معرفت

---

1) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب(ا: ۴۹۱)

2) بخاری، کتاب الآذان، باب السجود علی الانف(ح: ۸۱۲)

فرض ہے۔ (۱) یہ بھی تو ممکن ہے کہ مسلمان کی ان احکامات و مسائل سے بے پروائی اور بے اعتنائی برتنا، کہیں نماز کو باطل اور فاسد کرنے والے کاموں سے غافل ہی رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والے اور توفیق مرحمت فرمانے والے ہیں۔

(۳۱) تا (۳۴) سورۂ فاتحہ میں غلطیوں کا خیال نہ رکھنا:

سورۃ الفاتحہ کی قراءت اور اس کی قراءت میں غلطیوں کا خیال نہ کرنا۔ (مثلاً: ''العالمین'' میں ''ل'' میں زیر پڑھ جانا۔ ''اھدنا'' کے ھمزہ پر زبر پڑھنا ''انعمت'' کی ''ت'' پر پیش پڑھنا وغیرہ۔

مذکورہ بالا یا پھر ایسی ہی دوسری قراءت کی غلطیاں جو نماز میں خلل ڈالنے والی ہیں، ان سے بچنا واجب ہے، ایسی غلطیوں کے مرتکب کو عہدۂ امامت پر فائز نہیں رکھنا چاہیے۔ جب اس سے ایسی غلطیوں کا صدور ہوتا ہے جیسے ''انعمت'' کی ''ت'' پر پیش پڑھے وغیرہ ایسی غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

---

[1]) اللہ تعالیٰ نے نماز کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ اس کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔ (البقرہ: ۲۳۹/۲)
اور نبی کرم ﷺ نے بھی طریقہ نماز سیکھنے پر زور دیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (صلوا کما رایتمونی اصلی) (نماز اسی طرح پڑھو، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)۔
(بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر (ح: ۶۳۱)
نبی کریم ﷺ نے اپنے قول کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی اس کی اہمیت کا عام پرچار کیا یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر نماز کی امامت فرمائی قیام اور رکوع منبر پر کیا (سجدہ منبر سے اتر کر کیا اور دوبارہ منبر پر چڑھ گئے) اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا:

(انما صنعت ھذا لتاتموابی ولتعلموا صلاتی)

''میں نے یہ کام اس لئے کیا ہے کہ تم نماز ادا کرنے میں میری اقتداء کر سکو اور میری نماز کی کیفیت معلوم کر سکو۔'' (بخاری کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر (ح: ۹۱۷) مسلم، کتاب المساجد، باب جواز الخطوۃ والخطوتین فی الصلاۃ (ح: ۵۴۴)
اس سے نماز سیکھنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے کیونکہ جس قدر کسی انسان کی نماز رسول اکرم ﷺ کی نماز کی زیادہ قریب ہو گی وہ اسی قدر اجر و ثواب کا زیادہ حقدار ہو گا۔ اور جس قدر اس کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے مختلف ہو گی اسی قدر کم اجر و ثواب حاصل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ٹھیک سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ک)

۳۵) نماز میں انگلیاں چٹخانہ:

انگلیوں کے پٹاخے نکالنا یا دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنا۔ یہ بھی ان ممنوعہ کاموں میں سے ہیں جو حالت نماز میں مکروہ ہیں۔ انگلیوں کے پٹاخے نکالنے کے بارے میں ابن ابی شیبہ میں، شعبہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''حسن سند'' سے یہ مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قریب ہی نماز پڑھی اور میں نے اپنی انگلیوں کے پٹاخے نکالے تو جب میں نے اپنی نماز کو مکمل کر لیا تو مجھے فرمانے لگے: تیری ماں نہ رہے! تو نماز کے دوران ہی انگلیوں کے پٹاخے نکال رہا تھا؟[1]

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

(إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ ثُمَّ خَرَجَ عَامِداً إِلَى الصَّلاَةِ فَلاَ يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَإِنَّهُ فِي الصَّلاَةِ)[2]

(جب تم میں سے کوئی وضوء بنا کر' نماز پڑھنے کے ارادے سے گھر سے نکلے تو وہ اپنی انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے کیونکہ وہ اب بھی نماز میں ہے۔)

امام دارمی رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ وغیرہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مرفوعاً بیان کیا ہے:

(إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلاَةٍ حَتَّى يَرْجِعَ فَلاَ يَفْعَلْ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ)[3]

(جب تم میں سے کوئی گھر سے وضوء کر کے مسجد کو آئے تو واپس جانے تک وہ نماز ہی میں ہے' تو وہ ایسے نہ کرے اور آپ نے انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔)

اس کی سند ظاہراً صحیح ہے شبک (یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنے) کے بارے میں اور بھی احادیث ہیں جو ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہیں۔

---

[1]) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۴۴) ابن ماجہ (ح: ۹۶۵) میں بھی پٹاخوں کی نہی کے متعلق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت موجود ہے۔ لیکن وہ ضعیف ہے، لائق استدلال نہیں ہے۔

[2]) مسند احمد (۴/۲۴۱) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الھدی فی المشی الی الصلاۃ (ح: ۵۶۲) ترمذی کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ التشبیک بین الاصابع فی الصلاۃ (ح: ۳۸۶ والحدیث حسن)

[3]) مستدرک حاکم (۲۰۶/۱) سنن دارمی (۳۲۸/۱) ابن خزیمۃ (ح: ۴۴۷)

۳۶)اونٹ کے بیٹھنے کی طرح سجدے کے لئے جھکنا:

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے پھر اپنے دونوں ہاتھ، پھر اپنی پیشانی اور ناک کو زمین سے لگاتے۔

یہی وہ صحیح طریقہ ہے جسے شریک نے عاصم بن کلیب سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ سجدہ فرماتے اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنوں کو نیچے لگاتے تھے، اور جب اوپر اٹھتے تو اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

آپ کے اس عمل کے خلاف کسی نے روایت بیان نہیں کیا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ[1] نے ابن المنذر رحمہ اللہ سے یوں بیان کیا ہے کہ جنہوں نے ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کا کہا ہے وہ عمر بن خطاب

---

[1] امام ابن قیم کا مؤقف اور نقطہ نظر کئی وجوہات کی بناپر درست نہیں ہے۔اسی لئے مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، شیخ احمد شاکر، شیخ ناصر الدین البانی اور شیخ شعیب و عبد القادر ارناؤوط وغیرہ نے ان کا رد کیا ہے، جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ان کی پہلی دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت شریک بن عبد اللہ قاضی کی وجہ سے ضعیف ہے۔یہ روایت ابوداؤد (۲۳۸) ترمذی (۲۶۸) نسائی (۱۰۹۰) اور ابن ماجہ (۸۸۲) وغیرہ میں ہے۔

۲۔ابوداؤد (۸۴۰) اور نسائی (۱۰۹۱، ۱۰۹۲) کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی وہ استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۔وہ کہتے ہیں کہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے اپنے ہاتھ زمین پر رکھتا ہے۔تو پہلے ہاتھ رکھنے کی ممانعت ہوئی اور حدیث کا آخری حصہ پہلے حصے کے مخالف ہے۔بلکہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھے۔اس روایت کے راوی سے سبقت لسانی واقع ہوئی ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔بلکہ جانوروں کے گھٹنے اگلے ٹانگوں میں ہوتے ہیں اور وہ بیٹھتے ہوئے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر لگاتے ہیں۔ (حیاۃ الحیوان لسان العرب اور غریب الحدیث للسر قسطی)

اور گھٹنے پہلے رکھنے کی ہی حدیث میں ممانعت ہے۔اس طرح حدیث کے پہلے حصے اور دوسرے حصے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

سجدے کو جاتے ہوئے گھٹنے پہلے رکھنے کی ایک دلیل تو یہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور دوسری دلیل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جسے ابن خزیمہ (۶۲۷) حاکم (۲۲۶/۱) دار قطنی (۳۴۴/۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھا کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو امام بخاری نے بھی تعلیقاً بصیغہ جزم ذکر کیا ہے۔دیکھئے بخاری (قبل ح: ۸۰۳) ان کے علاوہ دیگر صحابہ اور سلف صالحین سے بھی یہی

رضی اللہ عنہ امانخعی رحمہ اللہ، مسلم بن یسار، امام ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب اور اہل کوفہ ہیں۔[1]

۳۷)اہل کی موجودگی میں نااہل کو امامت کے لئے آگے کرنا:

نماز کی امامت کے لئے ایسے شخص کو آگے کرنا جو اس منصب کا اہل نہ ہو جب کہ ان میں اس سے بہتر آدمی بھی موجود ہو۔ امامت سے جو بات مقصود ہے یعنی امام صاحب کی اقتداء اور پیروی، یہ اس کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی روشنی میں امام کو قاری قرآن اور سمجھدار ہونا چاہیے۔

﴿يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَءُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ﴾[2]

(قوم کی امامت وہ کروائے جو ان میں سے کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔)

اہل علم نے امام کے غیر اہل ہونے کے لئے چند باتیں بطور رہنمائی تحریر فرمائی ہیں:

۱)جو شخص قراءت قرآن کو عمدہ طریقے سے پڑھ نہ سکتا ہو۔

۲)جو اعلانیہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہو۔

۳)جس کی سیرت و کردار قابل تعریف نہ ہو۔

۴)بدعتی یا فاسق یا فاجر ہو وغیرہ۔

اگر ایسے آدمی کو امام بنا کر نماز پڑھ لیں گے تو مقتدیوں کی نماز درست ہو گی۔[3] واللہ اعلم

مروی ہے۔ اور یہی اقرب الی الصواب ہے۔ وللتفصیل (تحفہ الاحوذی (۲۲۹/۱) ترمذی بتحقیق احمد شاکر (۵۸،۵۹/۱) صفۃ الصلاۃ (۱۰۷) تمام المنۃ للالبانی (۱۹۵،۱۹۴) اور تحقیق زاد المعاد (۱/ ۲۲۵) (ک)

[1])صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۲۰۴-۲۰۵

[2])مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامۃ؟ (ح: ۶۷۳)

[3])ایسے آدمی کو مستقل امام نہیں بنانا چاہیے۔ لیکن اگر پہلے سے ہی امام بنا ہو تو اس کے پیچھے نماز صحیح ہو گی۔

۳۸) قرآن کریم کی تلاوت میں غلطیاں کرنا:

اور یہ بھی ظاہر نقص ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اسے غلطی سے پاک و مبرا پڑھا جائے، ہر ایک مسلمان کو تلاوت کرنے میں خوبصورتی اور عمدگی بنانے یعنی تجوید و قراءت کے اصولوں کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ (المزمل: ۷۳/ ۴) (اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو)

اور دوسری جگہ یوں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ (القیامۃ: ۷۵/ ۱۸) (جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہو)۔

ان کا یہی معنی ہے کہ دوان تلاوت، حرکات کی درست ادائیگی، تلفظ کی واضح ادائیگی غلطیوں سے مکمل اجتناب کا خیال رکھا جائے، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مطابق جو آدمی اپنی نیت اور ارادے کو خالص کرلے اس کی فضیلت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

(الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ)[1]

(قرآن پاک میں مہارت رکھنے والا' نیکوکار بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ہمراہ ہوگا اور جو آدمی اس حال میں قرآن پڑھتا ہے کہ دوران قراءت اسے دشواری ہوتی ہے (اٹک اٹک بولتا ہے) اس کے لئے دوہرا (دوگنا اجر ہوگا۔)

۳۹) بعض مردوں کا عورتوں سے پیچھے والی صف میں نماز پڑھنا:

یہ بھی مکروہ کاموں میں سے ایک ہے۔ یہ کام حرم مکی (یعنی خانہ کعبہ) میں ہو یا غیر حرم میں دونوں جگہوں پر برابر ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں یہ فیصلہ موجود ہے کہ عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں کے پیچھے ہونی چاہیئں۔[2] آدمی کے کسی عورت کے پیچھے نماز پڑھنے سے خشوع و خضوع کے ختم ہونے

---

[1]) بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ عبس (ح: ۴۹۳۷)

[2]) بخاری، کتاب الاذان، باب المراۃ وحدھا تکون صفا (ح: ۷۲۷) مسلم کتاب المساجد، باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ (ح: ۶۶۰، ۶۵۸)

اور اس میں خلل واقع ہونے جیسے کہ اسے دیکھنا وغیرہ جیسے خدشات موجود ہیں۔ لہذا کبھی بھی کسی آدمی کو عورتوں کی صفوں کے پیچھے صف نہیں بنانی چاہیے۔ ہاں البتہ جہاں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو، جیسے کہ نماز عید یا نماز جمعہ یا کسی ایسی ہی دوسری نماز میں اچانک مجبوراً شامل ہونا پڑ جائے۔

٤٠) عورتوں کا بناؤ سنگار کر کے یا خوشبو لگا کے مسجدوں کی طرف آنا:

یہ بھی اعلانیہ منکرات میں سے ہیں جن کا ماہ رمضان اور دوسرے عام مہینوں میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ عورت تو صرف اپنے فریضۂ نماز کی ادائیگی اور اپنے رب کی عبادت کرنے کی خاطر آئی ہے۔ اپنی زیب وزینت یا کپڑوں کی نمائش کی خاطر تو نہیں آئی۔ بسا اوقات مرد حضرات ان چیزوں کو دیکھتے رہتے ہیں تو یہ عورت اپنے اس غلط کام کی وجہ سے ثواب سے محروم رہ جاتی ہے۔ اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلاَ تَشْهَدَنَّ مَعَنَا الْعِشَاءَ الآخِرَةَ﴾[1]

(جس عورت نے خوشبو استعمال کی ہو وہ نماز عشاء کی ادائیگی کے لئے ہمارے ساتھ (مسجد میں) حاضر نہ ہو۔)

امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صحیح سند سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ فرمان نبوی ﷺ بیان کیا ہے:

﴿لاَ تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ وَلِيَخْرُجْنَ تَفِلاَتٍ﴾[2]

(تم اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکنا، اور انہیں چاہیے کہ بلا زیب وزینت اور بغیر خوشبو لگائے نکلا کریں)

اور ''تَفِلَات'' کا معنی ی ہے ''غَيْرَ مُتَزَيِّنَاتٍ وَّلاَ مُتَطَيِّبَاتٍ'' بلا زیب وزینت اور بغیر خوشبو لگائے۔

سیدہ زینب ثقفی رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کا فرمان مبارک اس طرح بیان فرماتی ہیں:

﴿إِذَا خَرَجَتْ أَحَدَاكُنَّ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلاَ تَقْرُبَنَّ طِيْبًا﴾[٣]

---

[1]) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد، (ح: ٤٤٢) صحیح مسلم، کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: جو عورت مسجد میں نماز پڑھنے آئے تو وہ خوشبو استعمال نہ کرے (ح: ٤٤٣) یعنی جس عورت نے مسجد میں نماز پڑھنے آنا ہو تو وہ خوشبو استعمال نہ کرے اور اگر کسی عورت نے خوشبو استعمال کی ہو تو وہ مسجد نہ آئے۔

[2]) مسند احمد (٢/ ٤٣٨) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد (ح: ٥٦٥)

[3]) مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المسجد (ح: ٤٤٣) بلفظ ''فلا تمس طیبا'' نسائی، کتاب الزینۃ، باب النھی للمراۃ ان تشھد الصلاۃ اذا اصابت من البخور (ح: ٥١٣٤)

(جب تم میں سے کوئی عورت مسجد کے لئے چلے تو خوشبو کے قریب تک نہ جائے۔)

عورت کے لئے فرض اور واجب یہی عمل ہے کہ وہ راستوں، بازاروں میں سے گزرتے ہوئے اپنے پورے بدن کو چھپا کر رکھے، اسی طرح اجنبی مردوں سے بھی اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھے۔ تو اس عورت کا کیا حال ہوگا جو مسجدوں میں آتے جاتے ہوئے پردہ کرنے میں تساہل اور سستی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے، مسلمانوں کی عورتوں کی اصلاح فرمائے اور مکاروں کے مکر و فریب کو ان سے دور رکھے۔

دعاء مانگنے میں خطائیں

۱) فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا:

اگر کوئی صاحب ہر فرضی نماز کے بعد اس کو لازمی خیال کر کے اس کا اہتمام کرتا ہے تو یہ بدعات میں سے ایک بدعت ہوگی، فرضی نمازوں کے بعد استغفار کرنا، تسبیح و تحمید تکبیر و تہلیل پڑھنا اور ہاتھ اٹھائے بغیر انفرادی دعائیں کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس طرح ہی کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد دعاء کے لئے ہاتھ نہیں اٹھائے تو یہ ایسا کام ٹھہرا کہ سنت کی مخالفت ہونے کی وجہ سے اسے نہ کرنا چاہیے اور اس کا التزام و اہتمام کرنا بدعت ٹھہرے گا۔

۲) فرض نمازوں کے دوان ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا:

وہ گویا اس طرح ہاتھ اٹھا کر دعاء کرے جیسے کوئی رکوع سے اٹھنے کے بعد قنوت نازلہ کے لئے یا اسی طرح دوسرے مواقع پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتا ہے۔ تو یہ ایسا عمل ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے یوں کیا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، تو پھر اس جیسے اعمال اس فرمان نبوی (ﷺ) کے حکم میں داخل ہوں گے:

«مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»[1]
(جس کسی نے ہمارے اس امر میں (یعنی شریعت میں) کوئی ایسا نیا کام شروع کیا جو اس میں نہ ہو، تو وہ مردود ہے۔)

۳) دعاء کرتے ہوئے خشوع وخضوع اور حاضریٔ قلب میں تساہل:

خشوع وخضوع اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ﴾ (الاعراف: ۷/۵۵)
(اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔)

مزید یہ فرمان الٰہی ملاحظہ ہو:

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۹۰)
(یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے، اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔)

دعاء کرنے والے کو چاہیے کہ ''آدابِ دعا'' کا خیال رکھے۔ مثلاً: خشوع وخضوع، آواز میں دھیما پن اور پستی اور حضورِ قلب وغیرہ، دعاء مانگنے والے کو اس بات کا بھی حریص ہونا چاہیے کہ اسے اس کا مطلوبہ سوال عطا کر دیا جائے۔ اس کی طلب کو پورا کر دیا جائے۔ لٰہذا اسے اپنی دعاء کو مکمل کرنے اور خوبصورت بنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس کی دعاء بارگاہ ایزدی میں پہنچ کر شرف قبولیت پا سکے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے جس کی سند کو امام المنذری رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوهُ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ فَإِنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ لِعَبْدٍ دَعَاهُ عَنْ ظَهْرِ قَلْبٍ غَافِلٍ»[2]
(جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرو تو دل میں اس کی قبولیت کا یقین رکھ کر سوال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی دعاء کو قبول نہیں فرماتے جو غافل دل کے ساتھ دعاء کرتا ہے۔)

---

[1] بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور۔۔۔(ح: ۲۶۹۷) مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ (ح: ۱۷۱۸)
[2] مسند احمد (۲/ ۱۷۷) اس کی سند عبداللہ بن لھیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن یہ اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ (دیکھئے سلسلہ صحیحہ البانی۔ ۵۹۴)

ہم نے اس بات کو ابھی بیان کیا ہے کہ دعاء مانگنے والے کو قبولیت کا یقین پیدا کرنا چاہیے کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر سخی اور فیاض سے مانگ رہا ہے۔ جس سخی داتا کا یہ وعدہ ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (المومن: ۴۰/۶)
(تمارا رب کہتا ہے" مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔")

تو جس کی دعاء قبول نہیں ہو رہی تو اس کی دو حالتوں میں سے ایک حالت ضرور ہو گی:

۱) کہ اس دعاء کی قبولیت کے راستے میں کسی رشتہ دار سے قطع تعلقی یا ظلم و زیادتی، یا مال حرام کی کمائی رکاوٹ بنی کھڑی ہو گی، اور اکثر دعائیں انہی وجوہات کی وجہ سے قبول نہیں ہوتی ہیں۔

۲) یہ کہ اس دعاء کی قبولیت کو ذرا مؤخر کر دیا گیا ہو، یا اس سے کسی ایسی ہی آفت مصیبت کو دور کر دیا ہو۔ جیسے کہ سیدنا ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ نے ناطق وحی ﷺ کا یہ فرمان مبارک روایت کیا ہے:

"مسلمان جو بھی دعاء مانگتا ہے اگر اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں سے ایک ضرور عطاء فرما دیتے ہیں:

i) یا تو اس کی مانگی ہوئی چیز جلد عطاء فرما دیتے ہیں۔

ii) یا اس کے اجر و ثواب کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتے ہیں۔

iii) یا اس سے اس دعاء کے برابر، کسی برائی (پریشانی، بیماری وغیرہ) کو دور فرما دیتے ہیں۔

تو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے فرمایا:

تب تو ہم کثرت سے دعائیں مانگا کریں گے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے پھر یوں ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر کثرت سے نوازنے والے ہیں۔"[1]

---

[1]) مسند احمد (۳/۱۸) مسند ابی یعلی (۲/۶،۵) (ح: ۱۰۱۵)

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے ''جید سند'' کے ساتھ روایت کیا ہے، یہ حدیث اپنے شواھد کے ساتھ صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے [1] اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایات نقل فرمائی ہیں۔ [2]

۴) نبی اکرم ﷺ کے طفیل اور وسیلے سے دعاء مانگنا:

یہ بھی دوسری بدعات میں سے ایک ہے، اور دعاء مانگنے میں زیادتی بھی ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی کو بھی اس کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ایسا کیا ہی ہے۔ تو یہی مذکورہ دونوں، چیزیں کسی کے جاہ وحشمت، یا کسی کی شخصیت کے وسیلے سے دعاء مانگنے پر بدعت ہونے کی دلیل ہیں۔ اور دعاء جیسی اہم ترین عبادت کے معاملے میں بلا دلیل ہی ایک نئی ایجاد ہے۔ اسی طرح شریعت میں ''ممنوع وحرام غلو بیانی'' کے اسباب میں سے ایک ہے۔ باقی رہے یہ الفاظ:

﴿اِسْأَلُوْا بِجَاهِيْ فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾

(تم میرے مقام ومرتبے کا واسطہ دے کر سوال کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا بہت اونچا مقام ہے۔)

تو یہ الفاظ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ لہٰذا ان الفاظ کی نسبت نبی ﷺ کی جانب صحیح نہیں ہے۔

۵) دعاء میں زیادتی کرنا یعنی کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعاء کرنا:

تو یہ چیز بھی عدمِ قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔ نبی برحق ﷺ نے تو پہلے ہی یہ وضاحت بیان کر دی ہے:

﴿سَيَكُوْنُ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الدُّعَاءِ﴾ [3]

(جلد ہی کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دعاء مانگنے میں حد سے بڑھ جائیں گے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک یوں موجود ہے:

---

[1]) ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی انتظار الفرج وغیر ذالک (ح: ۳۵۷۳)

[2]) ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما من رجل یدعو اللہ بدعاء الا استجیب لہ (ح: ۳۶۰۴/۳)

[3]) مسند احمد (۱/ ۱۷۲، ۱۸۳) ابوداؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء (ح: ۱۴۸۰)

﴿ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾(الاعراف: ۷/۵۵)

(اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے 'یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

''حد'' سے گزرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی گناہ یا کسی آفت یا کسی قطع تعلقی کی دعاء کرے جس طرح کہ امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی فرمان رسول اکرم ﷺ یوں بیان کیا ہے:

''روئے زمین پر جو بھی مسلمان ہے وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی دعاء مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے:

i) یا تو وہی مانگی ہوئی چیز عطا فرما دیتا ہے۔

ii) یا اس کی مانند اس سے کسی برائی کو دور فرما دیتا ہے۔ جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ کرے۔[1]

جمعۃ المبارک کے حوالے سے خطائیں

۱) شبِ جمعہ کو عبادت کے لئے خاص کرنا:

شبِ جمعہ کو شب بیداری کے لئے اور روزِ جمعہ کو روزے کے لئے خاص کر لینا۔ اس سے بھی روکا گیا ہے۔ جس طرح کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے محمد بن عباد بن جعفر رحمہ اللہ سے روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: ''ہاں۔''[2]

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

---

[1]) ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی انتظار الفرج وغیر ذالک (ح: ۳۵۷۳) (یہ حدیث پاک حسن درجے کی ہے)

[2]) بخاری، کتاب الصوم باب صوم یوم الجمعۃ (ح: ۱۹۸۴)

﴿لاَ تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلاَ تَخُصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الأَيَّامِ إِلاَّ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ﴾ (1)

(راتوں میں سے صرف 'شب جمعہ' کو قیام کرنے کے لئے (یعنی نماز نفل یا دیگر عبادات کرنے کے لئے) خاص نہ کرو۔ اور دنوں میں سے صرف 'یوم جمعہ' کو روزہ رکھنے کے لئے خاص نہ کرو۔ ہاں یہ کہ جمعے کا دن تمہارے کسی کے روزوں کے دن میں آجائے'' (یعنی اگر ایک آدمی ایک ناغے یا دو ناغوں سے روزہ رکھتا ہو تو اس کی ترتیب میں جمعہ کا دن آجائے تو جائز ہو گا۔)

۲)خطبہ کے منافی حرکات کرنا:

خطبہ جمعہ سننے میں سستی کرنا یا امام صاحب کے خطبہ کے دوران ہی باتیں کرنا۔

خطبہ جمعہ سننا اور دوران خطبہ خاموشی سے بیٹھنا انتہائی ضروری ہے۔ خطبہ جمعہ نہ سننا یا باتوں میں مصروف ہو جانا منع ہے۔ جس طرح کہ فرمان رسول عربی (ﷺ) موجود ہے:

﴿إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ . وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ﴾ (۲)

(جب تو نے اپنے ساتھی کو جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو 'یوں کہا' 'چپ کر جاؤ'' تو تُو نے فضول اور لغو بات کی۔)

''انصت'' (یعنی چپ ہو جاؤ) کہنے سے خطبہ کا سننا منقطع ہو جاتا ہے خواہ چند لمحوں کے لئے ہو تو اس پر ''فضول بولنے'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو جب اس چپ کروانے والے، خیر خواہی کرنے والے کا یہ معاملہ ہے تو پہلے کلام کرنے والے کا کیا حال ہو گا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں یوں لکھا ہے کہ: جب رسول اللہ ﷺ نے اس نیکی کا حکم دینے والے کے صرف ایک بول ''انصت'' (یعنی چپ ہو جاؤ) کو لغو قرار دیا ہے تو اس سے زیادہ بول اور مزید باتیں تو بالاولیٰ لغو ہوں گی۔ (۳)

---

1) مسلم، کتاب الصیام باب کراھۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم۔۔۔۔(ح: ۱۴۸/ ۱۱۴۴)

2) بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب(ح: ۹۳۴) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب فی الانصات یوم الجمعۃ فی الخطبۃ(ح: ۸۵۱)

3) فتح الباری(۲/۴۱۴)

۳)دوسری آذان کے بعد خرید وفروخت کرنا:

جمعہ کی آذان کے بعد خرید وفروخت حلال اور جائز نہیں ہے بلکہ ایسی بیع ہی فاسد ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کی وجہ سے وہ بیع صحیح نہیں ٹھہرے گی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(الجمعة:۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانو۔)

تو جس آذان کے بعد خرید وفروخت سے روکا جارہا ہے وہ جمعہ کی دوسری آذان ہے لہٰذا دوسری آذان[1] کے بعد خرید وفروخت فاسد ہو گی کیونکہ یہ نہی فساد اور خرابی کا ہی تقاضا کر رہی ہے۔

۴)خطیب کی آمد پر جمعہ کی سنتیں پڑھنا:

خطیب صاحب کی آمد پر، اذان کے بعد نماز پڑھنا، جسے عوام الناس ''جمعہ کی سنتیں'' کہتے ہیں۔

حالانکہ یہ نماز سنت نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نہیں پڑھا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ اس سلسلے میں نبی آخر الزماں ﷺ کا طریقہ یوں قلمبند فرماتے ہیں:

''جونہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ آذان سے فارغ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ خطبہ شروع فرما دیتے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی کھڑا ہو کر دو رکعت نہیں پڑھتا تھا۔ اس وقت تو آذان بھی صرف ایک ہی تھی۔ بلکہ یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جمعہ تو نماز عید کی مثل ہے جس سے پہلے کوئی ''سنت رکعات'' نہیں ہیں۔ علماء کرام کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے اور سنت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔''

پھر فرماتے ہیں ''جس آدمی کا یہ خیال اور گمان ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے آذان سے فارغ ہونے پر سب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کھڑے ہو کر'' دو رکعت پڑھا کرتے تھے تو وہ شخص سب لوگوں میں سے ''سنت رسول ﷺ'' سے زیادہ جاہل ہے۔''

---

[1] یہ اس صورت میں جہاں جمعہ کے دن دو آذانین دی جاتی ہوں، وگرنہ جہاں ایک ہی آذان دی جاتی ہے وہاں پر اسی آذان کے بعد سے خرید وفروخت حرام ہے۔(طع)

یہی ہمارا مؤقف ہے نماز جمعہ سے قبل کوئی سنت رکعات نہیں ہیں، یہی امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مؤقف ہے۔اصحابِ امام شافعی رحمہ اللہ بھی ایک مؤقف یہی رکھتے ہیں۔۔۔۔[1]

۵)لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنا:

یہ بھی عام پھیلی ہوئی خطاؤں میں سے ایک ہے اس طریقے سے پہلے آنے والے نمازیوں کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔احادیث مبارکہ میں اس سے روکا گیا ہے سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

(جَاءَ رَجُلٌ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَيْتَ وَ اٰنَيْتَ)[2]

(ایک آدمی جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آرہا تھا جب کہ نبی اکرم ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرمارہے تھے تو آپ ﷺ نے اسے یوں فرمایا: "یہیں بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو تکلیف پہنچارہے ہو جب کہ تم ابھی آئے ہو۔)

۶)خطبۂ جمعہ لمبا کرنا اور نمازِ جمعہ کو مختصر کرنا:

تو یہ بھی خلاف سنت نبوی ﷺ ہے، جبکہ خطبہ کو مختصر کرنا اسے زائد باتوں سے بچانا (یعنی غیر ضروری باتیں جیسے سیاست پر تبصرے اور قصے کہانیاں خطبۂ جمعہ میں بیان کرنے سے احتراز کرنا) اور نماز کو لمبا کرنا سنت مبارکہ ہے[3]۔سیدنا عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الصَّلَاةَ وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ)[4]

(رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کو لمبا کیا کرتے اور خطبہ جمعہ کو مختصر رکھا کرتے تھے۔)

---

1)زاد المعاد(۱/ ۴۳۱-۴۳۲)

2) مسند احمد(۴/ ۱۸۸) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ(ح: ۱۱۸) نسائی کتاب الجمعۃ، باب النھی عنت خطی رقاب الناس(ح: ۱۴۰۰) صحیح ابن خزیمۃ(۱۸۱۱) صحیح ابن حبان(۲۷۹۰) مستدرک حاکم(۱/ ۲۸۸) نسائی، نقاب الجمعۃ، باب مایستحب من تقصیر الخطبۃ(ح: ۱۴۱۵)

3 جیسا کہ بہت سے خطیب ملکی سیاسی حالات پر تبصرے کرتے نظر آتے ہیں اور لوگوں کو دین سکھانے کے بجائے ان کا وقت ضائع کرتے ہیں حالانکہ یہ تمام باتیں وہ اخبارات وٹی وی وغیرہ پر پڑھ سن لیتے ہیں اور اس خطیب سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، البتہ جو چیز انہیں نہیں ملتی وہ صحیح دینی علم ہے لہذا اسی پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔(ط ع)

4) مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ(ح: ۸۶۹)

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوا سنا ہے:

(إِنَّ طُولَ صَلاَةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ فَأَطِيلُوا الصَّلاَةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا)[1]

(یقیناً ایک خطیب کی نماز کی طوالت اور اس کے خطبے کا اختصار' اس کی سمجھداری اور فقاہت کی علامت و پہچان ہے۔ للذا تم نماز کو طول دینا اور خطبے کو مختصر رکھنا اور یقیناً بعض بیان و خطابت میں جادو ہوتا ہے۔)

اس حدیث پاک میں نماز کو لمبا کرنے اور خطبے کو چھوٹا رکھنے کا حکم ہے۔ تو اس ایک ہی مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کا قول و فرمان، فعل و عمل اور امر و حکم سب جمع ہو گئے ہیں۔

(إِنَّ طُولَ صَلاَةِ الرَّجُلِ ـــــــ) قول ہے كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الصَّلاَةَ وَيُقْصِرُ الْخُطْبَةَ عمل مبارک ہے۔ اور فَأَطِيلُوا الصَّلاَةَ امر ہے۔

۷) نماز میں بے مقصد حرکات کرنا:

کسی کنکری کو چھونا یا تسبیح کے دانوں اور کسی دوسری چیز سے عبث حرکات کرتے رہنا۔

اس سے بھی روکا گیا ہے، کمبل کے پلو سے یا کپڑوں سے یا مسجد کے فرش سے یا مسواک سے یا پھر اسی طرح تسبیح، گھڑی اور قلم سے بے مقصد حرکات کرتے رہنا بھی اسی حکم میں ہے۔ جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح مسلم" میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک ذکر کیا ہے:

(مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَى)[2]

(جس آدمی نے بڑی خوبصورتی سے وضوء کیا پھر وہ مسجد میں آگیا اور خطیب صاحب کی باتوں کو خاموشی سے بڑے دھیان سے سنتا رہا اس کے اس جمعہ اور گزشتہ جمعہ کے درمیان والے گناہ معاف فرما دیئے گئے' اور مزید تین ایام کے گناہ بھی۔ اور جس نے کنکری کو چھوا تو اس نے فضول حرکت کی۔)

---

[1]) مسلم کتاب الجمعة، باتخفیف الصلاة والخطبة (ح: ۸۶۹)

[2]) مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت فی الخطبة (ح: ۲۷/ ۸۵۷)

۸) صرف "جمعۃ المبارک" کا روزہ رکھنا:

صرف جمعۃ المبارک کا روزہ رکھنے کی ممانعت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے ایک سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لَا يَصُوْمَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِلَّا أَنْ يَّصُوْمَ يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ يَوْمًا بَعْدَهُ»[1]

(تم میں سے کوئی بھی صرف جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے، الا یہ کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ ساتھ ملائے۔)

جبکہ صحیح مسلم شریف میں الفاظ حدیث اس طرح ہیں:

«لَا تَخُصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ سَائِرِ؟ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِي صَوْمٍ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ»[2]

(باقی دنوں میں سے صرف "یوم الجمعۃ" کو روزہ رکھنے کے لئے خاص نہ کرنا مگر یہ کہ کوئی روزے رکھتا ہو تو اتفاقاً اس کے روزے رکھنے میں جمعہ کا دن آجائے۔)

(ایسی ہی حدیث پاک مسئلہ نمبر ا کے ضمن میں بھی گزر چکی ہے۔)

"صحیح البخاری" میں سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جمعۃ المبارک کے روز رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے روزہ رکھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے کل بھی روزہ رکھا تھا، اس نے کہا: "نہیں۔" پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "کیا تو کل بھی روزہ رکھے گی؟" تو اس نے پھر کہا: "نہیں۔" تو آپ ﷺ نے روزہ چھوڑنے کا حکم دے دیا۔[3]

اس مسئلہ میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ اس نہی کی حکمت کے متعلق اللہ بہتر جانتا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ایک وجہ یوں تحریر فرمائی ہے۔

"کوئی بات جو شریعت میں موجود نہ ہو اس کو شریعت میں داخل کرنے والے راستے کو بند کرنا مقصود ہے۔ اور اس میں اہل کتاب کے اس عمل سے بھی

---

[1]) بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعۃ (۱۹۸۵) مسلم کتاب الصیام باب کراھۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم (ح: ۱۱۴۴ بالفاظ متقاربۃ)

[2]) مسلم، کتاب الصیام، باب کراھۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم، (ح: ۱۴۸/ ۱۱۴۴)

[3]) بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعۃ (ح: ۱۹۸۶)

مشابہت لازم آتی ہے جو انہوں نے بعض ایام کو دنیاوی کاموں سے الگ تھلگ کر کے صرف دینی کاموں کے لئے خاص کر لیا تھا۔ اور اسی معنی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جمعہ کا دن چونکہ باقی ایام کی نسبت بظاہر فضیلت والا ہے تو اس کے روزہ رکھنے کا داعیہ اور رجحان بھی زیادہ قوی ہے، تو کہیں لوگ اس کی فضیلت کے پیش نظر متواتر جمعہ کے دن کا روزہ ہی نہ رکھتے چلے جائیں۔ اور صرف اسی روزے کی وجہ سے خاص قسم کی محفلوں کا اہتمام کرنے لگیں جو کسی دوسرے دن کے روزے کی وجہ سے نہ کرتے ہوں۔ تو پھر اس طرح شریعت میں ایسے کاموں کو داخل ہونے کا موقع ملتا ہے، جو پہلے شریعت میں نہ ہوں اور اس معنی کے پیش نظر۔ واللہ اعلم۔ باقی راتوں میں سے صرف ''شب جمعہ'' کو قیام اور شب بیداری کے لئے خاص کرنا کہ یہ سب راتوں سے افضل رات ہے بھی منع ہے۔ [1]

زکوۃ کے مسائل میں خطائیں

۱) زکوۃ بر وقت ادا نہ کرنا:

زکوۃ ادا کرنے میں غفلت دکھانا یا بر وقت ادا کرنے میں سستی کا مظاہرہ کرنا۔ یہ معاشرے میں رونما ہونے والی برائیوں اور وقوع پذیر ہونے والے معاصی میں سے ایک ہے۔ کیونکہ زکوۃ تو اسلام کا تیسرا بڑا رکن ہے۔ یہ مال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حق ہے۔ تو ایک مسلمان آدمی پر اسے بر وقت دل کی خوشی سے اور اس کی ادائیگی سے اپنے مولا کریم کا قرب حاصل کرنے کے لئے حقداروں کو پہنچا دینا فرض ہے۔ بلکہ اسے ادا نہ کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعید نازل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے رکھے۔ (آمین) فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (آل عمران: ۱۸۰/۴)

(جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے' اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لئے اچھی ہے۔

---

[1]) زادالمعاد(۱/ ۴۲۰)

نہیں! یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمان کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔)

اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث پاک مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

(مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلاَ فِضَّةٍ لاَ يُؤَدِّى مِنْهَا حَقَّهَا إِلاَّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحَ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِىَ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ۔۔۔۔۔۔) الحدیث [1]

(کوئی بھی سونے کا مالک' یا چاندی کا مالک ایسا ہو جو اس کا حق زکوۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے لئے (اس کے سونے چاندی سے کہ جس کو وہ دنیا میں جمع کر کر کے رکھتا تھا) چوڑے چوڑے تھال نما قطعے بنا دیے جائیں گے۔ پھر انہیں آگ پر تپایا جائے گا اور اس کے پہلوؤں پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا۔ پھر جب وہ پورے ہو جائیں گے تو از سر نو شروع کر دیا جائے گا' یہ سب کچھ اس دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا تو آخر میں وہ آدمی بھی اپنا راستہ دیکھ لے گا۔" جنت کی طرف یا جہنم کی جانب۔۔۔الخ۔)

سورۃ توبہ میں یوں فرمان باری تعالیٰ موجود ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (٣٤) يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ (التوبۃ: ۹/۳۴،۳۵)

(دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو' جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔)

نقد رقم یا جو مال اس کے حکم میں ہے اس کے لئے زکوۃ ادا کرنے کا وقت ایک سال کا گزرنا ہے ہر مسلمان جب اس کا مال نصاب کو پہنچ جائے گا ہر سال زکوۃ ادا کرے گا، آٹھ مصارف میں رہتے ہوئے حقدار کو تلاش کرے گا۔(ان آٹھ مصارف کی تفصیل آگے مسئلہ نمبر ۳ میں آرہی ہے۔) کسی صحیح شرعی عذر ور شرعی مقصد کے بغیر زکوۃ کی ادائیگی لیٹ نہیں کرے گا اور حقیقت حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

---

1) مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ (ح: ۹۸۷)

۲)مالِ زکوۃ کی معرفت حاصل نہ کرنا:

احکام زکوۃ کی معرفت میں سستی کا مظاہرہ کرنا، یازکوۃ کے قابل مال مویشی کی معرفت میں عدم دلچسپی رکھنا یازکوۃ کے وقت ادائیگی میں کاہلی کا ثبوت دینا۔

مال مویشی والے آدمی پر ان مسائل کو سیکھنا یا اپنی زکوۃ کے بارے میں دریافت کرتے رہنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ زکوۃ تو اس پر فرض ہے۔ جب تک وہ ان احکامات ومسائل کو صحیح معنوں میں سیکھے گا نہیں وہ صحیح طور پر زکوۃ ادا نہیں کرسکے گا۔ مثلاً: مندرجہ ذیل باتیں: نصاب، مال کی قسم، زکوۃ کی مقدار اور اس کے مصارف وغیرہ۔

تو جو آدمی ان کے سیکھنے میں یا کسی سے دریافت کرنے میں سستی وکاہلی کا شکار رہے گا تو ممکن ہے لاعلمی میں ایسے کام کرتا رہے جن سے شریعت نے روکا ہوا ہے۔ یازکوۃ کو لیٹ ادا کرکے گناہ گار بنتا رہے یا کسی غیر حقدار کو دیتے رہنے سے یا اسی طرح دوسری باتیں ہیں۔

تو چونکہ زکوۃ مال پر فرض ہے، اسے ادا کرنا اور صحیح طریقے سے اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان احکام ومسائل کو سیکھا جائے یا کسی اہل علم سے پوچھ لیا جائے۔

۳) مستحق افراد تک زکوۃ پہنچانے میں سستی دکھانا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبۃ: ٩/٦٠)

(یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لئے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں (غلاموں) کے چھڑانے (آزاد کروانے) اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہ الہی میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا وبینا ہے۔)

تو یہ ہیں زکوۃ کے آٹھ مصارف، تو جس نے سستی دکھاتے ہوئے ان آٹھ مصارف سے ہٹ کر کسی اور کو زکوۃ دے دی تو وہ زکوۃ ادا کرنے والا نہیں بنے گا اور اس سے فرض کی ادائیگی بھی شمار نہ ہوگی۔

لوگوں میں سے کچھ یوں بھی کرتے ہیں کہ زکوۃ آٹھوں مصارف میں سے صرف ایک مصرف میں خرچ کر دیتے ہیں اگرچہ اس کے پاس بقدر ضرورت پہلے ہی موجود ہو۔ فقراء مساکین وغیرہ باقی مصارف کو تلاش نہیں کرتے۔ بس صرف سستی کی بنا پر ہی ایک جگہ ہی خرچ کر دیتے ہیں۔ تو یہ جائز نہیں ہے۔ زکوۃ ادا کرنے والے کی طرف سے تنا ہی کافی نہیں ہے(بلکہ وہ دوسرے مصارف کی پڑتال رکھے کہ کس مصرف میں زیادہ ضرورت ہے۔ زکوۃ کے ان آٹھ مصارف میں سے کسی بھی مصرف میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ جہاں زیادہ ضرورت سمجھی جائے وہیں اگر خرچ کر دیا توزکوۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر مختلف مصارف میں خرچ کر دے تو یہ بھی درست ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کوئی پابندی عائد نہیں کی۔) (م ا)

روزوں کے مسائل میں وارده خطائیں

۱) روزے کی نیت زبان سے ادا کرنا:

یہ مسئلہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور سلف صالحین میں سے کسی نے بھی زبان سے نیت کے الفاظ ادا نہیں کیے۔ لہذا یہ نئی ایجاد اور بدعت ہے۔ نیت کا اصل مقام تو دل ہے اور یہ ''عبادت کے ارادے'' کا نام ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے صحیح احادیث میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ فرض روزے کی نیت فجر سے پہلے پہلے رات کو ہی کر لیا کرتے تھے۔ اس کا یہی معنی و مفہوم ہے کہ آپ اپنے دل ہی میں نیت اور قصد فرماتے تھے کہ صبح روزہ رکھیں گے۔ جیسا کہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث میں مروی ہے، کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ لَّمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ﴾[1]

کہ (جس نے فجر سے قبل روزے کی نیت نہ کی اس کا کوئی روزہ نہیں ہے۔)

[1])مسند احمد (۶/ ۲۸۷) ابو داؤد، کتاب الصیام باب النیۃ فی الصوم (ح: ۲۴۵۴) ترمذی کتاب الصوم: باب ماجاء لا صیام لمن لم یعزم من اللیل (ح: ۷۳۰) نسائی کتاب الصیام: باب الذکر اختلاف الناقلین لخبر حفصۃ فی ذلک(ح: ۲۳۳۳) واللفظ لہ ابن ماجہ۔ کتاب الصیام: باب ماجاء فی فرض الصوم من اللیل(ح: ۱۷۰۰)

تو اس حدیث پاک میں "تبییت الصیام" کا معانی "دل کا قصد ہے۔ واللہ اعلم

۲) سحری کے وقت کھانا پینا چھوڑنے میں سستی کرنا:

جس طرح کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ موذن کی اذان ختم ہونے تک اپنے کھانے پینے ہی میں لگے رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو ان کی غفلت و بے پرواہی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ جن جن موذنوں کی آوازیں ان تک پہنچ رہی ہوتی ہیں ان کی آوازیں آنے تک وہ کھانے پینے سے پیچھے ہی نہیں ہٹتے۔ یہ سب انداز غلط ہیں۔ بعض اقات تو اس طرح روزہ بھی باطل ہو جاتا ہے۔ کیوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرة: ۲/ ۱۸۷)

(راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے۔)

یہاں نمایاں نظر آنے سے مراد "فجر کا اول وقت" ہے، اور یہی "آذان فجر" کا وقت ہے، اور اس آیت پاک میں 'حتیٰ' غایت اور انتہا کے لئے ہے۔ یعنی جب موذن دوسری اذان کہنا شروع کر دے جو طلوع فجر کے بعد ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی کھانا پینا بند کرنا اور روزہ شروع کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث کا بھی یہی مطلب و معنی ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

(إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)[1]

(بے شک سیدنا بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے ہیں لہٰذا کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دینے لگیں)

اور بخاری شریف میں یہ جملہ بھی موجود ہے:

(فَإِنَّهُ لَا يُؤَذِّنُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ)[2]

کہ وہ (یعنی عبداللہ بن ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ طلوع فجر سے قبل اذان نہیں دیتے تھے۔)

تو مذکورہ متفق علیہ روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان گرامی:

---

1) بخاری، کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ "لا یمنعنکم من سحورکم اذان بلال (ح: ۱۹۱۹، ۱۹۱۸) مسلم، کتاب الصیام، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر (ح: ۱۰۹۲)

2) بخاری، حوالہ سابق۔

(کُلُوا وَاشۡرَبُوا حَتّٰی یُؤَذِّنَ۔۔۔۔۔۔۔۔) (اذان شروع ہونے تک کھاؤ پیو۔)

''اس امر کی دلیل ہے کہ یہ آذان طلوع فجر کے بعد ہو رہی ہے۔ لہٰذا کھانے پینے سے ہاتھ اٹھالو اور روزہ شروع کر دو۔''

البتہ جس آدمی کے ہاتھ میں کھانے پینے والا برتن ہو یا کوئی ایک آدھ لقمہ یا کوئی پینے والی چیز کا ایک آدھ گھونٹ باقی ہو تو وہ اپنی حاجت کو پورا کرے اس کی سنت مبارکہ میں وضاحت موجود ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہی صحیح عمل کی توفیق دینے والے ہیں۔

۳) رمضان میں نماز باجماعت ادا کرنے سے سو جانا:

باجماعت نماز ادا کرنے کی بجائے سو جانا اور نمازوں کو جمع کرنے کی سستی کرتے رہنا۔ ماہ صیام میں بڑی بڑی غلطیوں میں سے یہ ہے جب کہ شہادتین (اللہ کی توحید کی شہادت اور محمد ﷺ کے آخری رسول ہونے کی شہادت) کے بعد یہ دین کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس میں سستی کسی طور پر بھی روا اور جائز نہ ہے۔ ''نماز کے بیان میں'' مساجد میں باجماعت نماز کے واجب ہونے کے دلائل بیان ہو چکے ہیں تو باجماعت نماز ترک کرنے اور اس کے مد مقابل سونے وغیرہ کو ترجیح دینے والی سستی بھی حرام ہے۔ دو یا زائد نمازوں کو جمع کرنا بھی بہت بڑی غلطی ہے۔ البتہ عذر شرعی کی موجودگی میں مباح ہے وگرنہ جائز نہیں ہے۔[2]

مسلمان تو اس بات ماجور ہے کہ اپنے تمام اوقات کو اس بنیاد پر ترتیب دے کہ باقی تمام معاملات واعمال پر نماز کو مقدم رکھے۔ مسلمانوں کو باہمی تعاون کی فضا قائم رکھنی چاہیے اور پھر خصوصاً اس ماہ صیام کے اندر ایسے معاملے میں خیر خواہی تو ضرور کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی تو اسی لئے ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ: ۲/۵)

---

[1]) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب الرجل یسمع النداء والاناء علی یدہ (ح: ۲۳۵۰)

[2]) کبھی کبھار مقیم آدمی بھی بغیر کسی عذر کے دو نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے۔ اس کے جمع کا طریقہ یہ ہوگا کہ نماز ظہر کو تاخیر سے ادا کرے اور عصر اول وقت میں پڑھ لے، اسی طرح نماز مغرب کو لیٹ کرے اور عشاء کو اول وقت میں پڑھ لے۔ اس طرح دو نمازیں صورتاً تو جمع ہوں گی، لیکن حقیقتاً جمع نہیں ہوں گی بلکہ اپنے اپنے وقت پر ادا ہوں گی جس طرح کہ سنن نسائی میں باب الوقت الذی یجمع فیہ المقیم کے تحت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح حدیث مروی ہے۔ یہ حدیث بخاری میں اختصار کے ساتھ باب من اخر الظہر میں موجود ہے۔ (م ا)

(جو کام نیکی اور بھلائی کے ہیں ان میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو)

۴) دورانِ روزہ جھوٹ اور جہالت کے کام کرنا:

روزوں یا دوسرے نیک کاموں میں جھوٹ بولنا جھوٹ پر عمل کرنا اور جہالت والے کام کرنا۔

جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا یہ گناہ ہے جائز نہیں ہے، جس طرح کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''صحیح البخاری'' میں یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ﴾[1]

(جس آدمی نے جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے کو نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو ایسے آدمی کے کھانا اور پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔)

فحش کلامی اور گالی گلوچ وغیرہ جاہلانہ حرکتیں کرنا برے اخلاق ہیں۔ پھر خصوصاً ایک روزہ دار کے لئے تو بڑی برائی والی بات ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حدیث مبارکہ موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(ابن آدم کے سب عمل اسی کے لئے ہیں ماسوائے روزے کے، پس بے شک وہ میرے لئے ہے، میں خود ہی اس کا بدلہ عطا فرماؤں گا، اور روزہ ڈھال ہے، پس جس دن تم میں سے کسی کا روزہ ہو پس نہ تو وہ کوئی گناہ کی بات کرے، نہ ہی شور کرے، اگر کوئی اسے گالی بھی دے دے یا اس سے لڑائی بھی کرنا چاہے تو یوں کہہ دے کہ: میں روزے سے ہوں میں روزے سے ہوں۔)[۲]

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں رسول رحمت ﷺ کا فرمان بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الاَكْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ ـ فَاِنْ سَابَّكَ اَحَدٌ اَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَقُلْ : اِنِّیْ صَائِمٌ اِنِّیْ صَائِمٌ﴾[3]

(روزہ صرف کھانے اور پینے سے رکنے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ فضول اور بے ہودہ باتوں سے رکنے کا نام روزہ ہے۔ اگر تجھے کوئی گالی دے یا تیرے ساتھ جہالت سے پیش آئے تو کہہ دینا: ''میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔)

---

1) بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم (ح: ۱۹۰۳)

2) بخاری، کتاب الصوم، باب ھل یقول انی صائم اذا شتم (ح: ۱۹۰۴)

3) صحیح ابن خزیمۃ (۱۹۹۶) صحیح ابن حبان (۳۴۷۹) مستدرک حاکم (۱/ ۴۳۰-۴۳۱) وصححہ الالبانی فی (صحیح الجامع-۵۳۷۶)

امام بخاری نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث اپنی'' صحیح بخاری کے کتاب الادب'' میں ان الفاظ سے بیان کی ہے:

«مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ»[1]

(جس نے جھوٹی بات اس پر عمل کرنا اور جہالت کو ترک نہ کیا۔)

اس لفظ ''الجھل'' میں فحش کلامی، گالی گلوچ، غیبت، چغل خوری، کذب بیانی اور غلط بیانی وغیرہ زبان و دیگر اعضاء جسمانی کی غلطیاں سب ہی مراد ہو سکتی ہیں۔ایک روزہ دار کو جھوٹ، غیبت، جہالت، سب و شتم اور اس طرح دوسری غلط حرکات سے اپنے آپ کو پاک وصاف اور منزہ رکھنا چاہیے بالکل اسی طرح غیر روزہ دار کو بھی ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔ لیکن روزے کے احترام اور ماہ صیام کے اکرام کے پیش نظر ایک روزہ دار کو ان باتوں سے سختی سے پرہیز کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ان سے بچنے کی توفیق عنایت فرمانے والے ہیں۔

۵) آنکھوں اور کانوں کو حرام کاموں میں کھلا چھوڑ دینا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۳۶/۱۷)

(یقیناً آنکھ، کان اور دل سب کی باز پرس ہونی ہے۔)

یہ تمام اعضاء جسمانی جو بندوں کو بطور امانت دیے گئے ہیں ان اعضاء کے متعلق اور ان کے کاموں کے متعلق بندوں سے پوچھا جائے گا۔ کچھ لوگ تو ایسی غلط باتوں کو سننے اور ناجائز چیزوں کو دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ مثلاً: فتنہ پیدا کرنے والی عریاں تصاویر کو دیکھنا یا گانے وغیرہ سننا۔

ایسی تمام چیزوں سے خصوصاً ماہ صیام اور عموماً دوسرے مہینوں میں اجتناب کرنا واجب اور ضروری ہے۔ ماہ صیام کے احترام مقام و مرتبے کے پیش نظر اور اس کے فرماں برداری اور بخشش کا مہینہ ہونے کے ناطے ایسی تمام خرافات سے دور رہنا بالکل ظاہر ہے۔

ایک مسلمان کے لئے کتنا بہترین موقع ہے کہ اس ماہ صیام کی وجہ سے رشتہ داروں سے قطع تعلقی، سمعی وبصری محرمات سے تعلق داری اور اسی طرح باقی شہوات ومنکرات سے میلان طبع جیسی برائیوں سے کنارہ کش ہو جائے، حدیث قدسی میں آتا ہے:

---

[1]) بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالیٰ (واجتنبوا قول الزور) (ح: ٦٠٥٧)

﴿يَدَعُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي﴾[1]

(روزہ دار صرف میری وجہ سے اپنے کھانے' پینے اور اپنی شہوات کو چھوڑ دیتا ہے۔)

٦)ماہِ صیام وغیرہ میں آلاتِ لہو ولعب اور آلاتِ موسیقی کو سننا:

کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ باجے گاجے اور دوسرے آلات موسیقی کا سننا حرام ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ﴾ (لقمان: ٦/٣١)

(اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس ''لھو الحدیث'' (کلام دلفریب) سے مراد ''گانا'' ہے۔[2] اور یقیناً باجے گاجے اور گانا وغیرہ سب چیزیں ''لھو الحدیث'' میں داخل ہیں کیوں کہ یہ سب چیزیں اللہ کے راستے سے گمراہ کرنے والی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں صیغہ جزم کے ساتھ تعلیقاً ایک روایت اس طرح ہے۔بعض علماء نے اسے موصول بھی کہا ہے:

﴿لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ-----﴾[3]

(میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا کرنے' ریشم پہننے' شراب پینے اور باجے بجانے کو حلال سمجھیں گے-----)

یہ حدیث پاک تو اس کی حرمت میں واضح دلیل ہے۔کیونکہ حلال تو صرف اسی چیز کو ہی سمجھا جا سکتا ہے جو حرام ہو،اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک بالکل سچ ہو چکا ہے۔کہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) میں سے کچھ لوگوں نے باجے گاجے اور گانے وغیرہ کو یوں استعمال کرنا معمول رکھا ہے جیسے وہ ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں یا ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے۔حالانکہ ایک مسلمان کے ذمے واجب ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی اتباع کرے،اور ماہ صیام وغیرہ میں محرمات ومنکرات کو بالکل ترک کر دے۔اس ماہِ مبارک کی فضیلت کے پیش نظر ان چیزوں کو زیادہ تاکید سے چھوڑنے والے بن جائے۔

---

[1]) بخاری، کتاب الصوم، باب فضل الصوم (ح: ١٨٩٤)

[2]) مستدرک حاکم (٢/٤١١)

[3]) بخاری، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ (ح: ٥٥٩٠) ابوداؤد کتاب اللباس، باب ماجاء فی الخمر (ح: ٤٠٣٩)

۷)احکامِ صیام کی معرفت میں سستی:

ایک مسلمان کے ذمے یہ لازم اور واجب ہے کہ ان ضروری احکامات و مسائل کو پہچانے جو روزوں کے حوالے سے اس پر لازم ہیں۔ مثلاً: افطاری کے وقت کو، سحری بند کرنے کے وقت کو، افطار کرنے والی اشیاء کو، حالت صوم میں پرہیز کرنے والی چیزوں اور کاموں کو، روزے کی شروط وغیرہ کو، تاکہ اس کی عبادت صحیح معنوں میں مکمل ہو سکے، اور اس فضیلت علم کے پیش نظر وہ پورے اجر و ثواب کا حقدار بن سکے۔

"حجِ بیت اللہ" کے مسائل میں خطائیں

۱)احرام باندھنے سے قبل دو رکعت نفل واجب ہونے کا اعتقاد رکھنا:

ان دو رکعت نفل نماز کے واجب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو فرضی نماز کے بعد ہی احرام باندھ لیا تھا۔[1] تو فرض نماز کے بعد احرام باندھ لینا ہی سنت بنا۔

البتہ حج کا احرام باندھنے سے قبل دو رکعت نماز نفل ادا کر لینا بہت سے علماء کرام کے نزدیک مستحب ہے۔ اس پر دلائل موجود ہیں ان میں سے ایک دلیل جو صحیح بخاری شریف میں موجود ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول کرم ﷺ سے کہا تھا:

﴿صَلِّ فِیْ هٰذَا الْوَادِیْ الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِیْ حَجَّةٍ﴾[2]

(اس وادی مبارک (یعنی وادی عقیق) میں نماز پڑھیں اور یہ بھی فرمادیں کہ حج میں عمرہ داخل ہے۔)

تو یہ حدیث پاک احرام سے قبل نفلی نماز کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1]) مسلم، کتاب الحج، باب اشعار البدن و تقلیدہ عند الاحرام (ح: ۱۲۴۳)

[2]) بخاری، کتاب الحج، باب قول النبی ﷺ "العقیق واد مبارک" (ح: ۱۵۳۴)

۲)حالتِ احرام میں ممنوعات کاارتکاب کرنا:

اس کا مطلب ہے کہ فریضہ حج کی ادائیگی میں سستی کرنا۔ لہٰذا حالت احرام میں تمام طرح کی ممنوعات کو جاننا واجب ہے۔ یہ وہی امور ہیں جن سے ایک محرم نے اجتناب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ (البقرۃ: ۱۹۶/۲)

(اور اپنے سر نہ مونڈھوں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔)

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان مبارک بھی بخاری ومسلم میں موجود ہے:

«لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيلَ»[1]

(محرم آدمی نہ کرتا پہنے، نہ پگڑی، نہ پاجامہ، نہ ٹوپی اور نہ وہ کپڑا جس میں ورس یا زعفران لگی ہو اور اگر جوتی نہ ہو تو موزے پہن لے اور انہیں اوپر سے کاٹ لے تاکہ ٹخنے کھل جائیں۔) یہ تو چند چیزیں ہیں اسی طرح باقی ممنوعات کا علم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ان سے بچ سکے، اور نتیجتاً اس کا حج صحیح سلامت بن سکے اور اس کا اجر وثواب مکمل بن سکے۔

۳)عورتوں کا غیر محرم مردوں سے حجاب نہ کرنا:

عورت کو اجنبی مردوں سے اپنا چہرہ اور پورا بدن چھپا کر رکھنا حج میں اور دیگر مقامات میں، واجب ہے لیکن حج میں جہاں اجنبی آدمی نہ ہو عورت اپنے چہرے کو ننگا بھی رکھ سکتی ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ملتی ہے۔ فرماتی ہیں:

"کہ مردوں کے قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے جب کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج پر تھیں۔ جب وہ قافلے ہمارے قریب آتے تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر کو اپنے سر سے اپنے چہرے پر ڈال لیتی پھر جونہی وہ ہمارے پاس سے گزر جاتے تو ہم پھر سے اپنے چہرے ننگے کر لیتیں۔[2]

---

[1]) بخاری، کتاب الحج، باب مالا یلبس المحرم من الثیاب(ح: ۱۵۴۲) مسلم، کتاب الحج، باب ما یباح للمحرم بحج او عمرۃ لبسہ (ح: ۱۱۷۷)

[2]) مسند احمد(۶/ ۳۰) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی المحرمۃ تغطی وجھھا(ح: ۱۸۳۳) ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب المحرمۃ تسول الثوب علی وجھھا(ح: ۲۹۳۵ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ضعیف ہے البتہ اگلی روایت اس کی بہترین شاھد ہے۔

اسی طرح سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے، کہتی ہیں:

﴿كُنَّا نُغَطِّيْ وَجُوْهَنَا مِنَ الرِّجَالِ، وَكُنَّا نَمْتَشِطُ قَبْلَ ذٰلِكَ فِي الْإِحْرَامِ﴾[1]

(ہم مردوں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیتی تھیں، اور ہم اس سے قبل حالت احرام میں کنگھی بھی کر لیتی تھی)

۴)عورتوں کا مردوں سے ملتے جلتے کپڑے پہننا:

یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ شریعت میں عورت کو مردوں جیسا لباس اور ان جیسی وضع قطع اور شکل و صورت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ لیکن کچھ خواتین ایسے لباس زیب تن کرتی ہیں جو مردوں سے مشابہت رکھتے ہیں یا ایسی وردیاں اور یونیفارم پہنتی ہیں جو مردوں کے لئے ہوتی ہیں۔ تو یہ منع ہے۔ عورت کے لئے حالت احرام میں کوئی خاص لباس نہیں ہے۔ البتہ مردوں سے مشابہت تو مطلق طور پر منع ہے۔ جیسے کہ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے:

﴿لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ﴾[2]

(رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں بعض علماء کا قول یوں رقم کیا ہے:

"اس مشابہت سے مراد! لباس پہننے میں مشابہت اسی طرح کچھ دوسری صفات و حرکات وغیرہ میں مشابہت کرنا مراد ہے۔ نیکی کے کاموں میں مشابہت مراد نہیں ہے۔"[3]

۵)مشاعرِ حج وغیرہ کے یادداشت کے لئے تصاویر بنانا:

قرآن و حدیث کے دلائل اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ تصویر اپنی تمام انواع و اقسام سمیت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دلائل تصاویر کی تمام انواع و

---

1) مستدرک حاکم (۱/ ۴۵۴) صحیح ابن خزیمۃ (۲۶۹۰) موطا امام مالک (۱/ ۳۲۸) کتاب الحج، باب تخمیر المحرم وجھہ۔

2) بخاری کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء والمتشبھات بالرجال (ح: ۵۸۸۵)

3) فتح الباری (۱۰/ ۳۳۳) ذکر قول الشیخ ابو محمد بن ابی جمرۃ رحمہ اللہ۔

اقسام کے لئے عام ہیں۔ کسی خاص نوع کی حرمت کے لئے نہیں ہیں۔

جس طرح کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث پاک مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے بذات خود نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

﴿إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ﴾[1]

(قیامت کے روز سب لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عذاب کے حقدار "مصور" ہوں گے۔)

اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بھی موجود ہیں[2] بلکہ تصویر کے حرام ہونے میں احادیث بکثرت ملتی ہیں۔

مذکورہ حدیث پاک سے وجہ استدلال اس طرح ہے کہ "المصورو ں" (تصویں بنانے والے) اسم فاعل ہے۔ پھر مزید اس پر "ال" موصولہ بھی داخل ہوا ہے، جو تصویر کی تمام انواع و اقسام کو شامل ہے۔ تو اس سے کسی بھی چیز کی تصویر کو جائز نہیں بنایا گیا مگر صرف غیر ذی روح کی تصویر کو، وہ بھی دوسرے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے۔

فوٹو گرافی والی تصاویر بھی لغت اور عرف دونوں اعتبار سے تصویر ہی میں شامل ہیں۔ تو اس طرح شرعی ممانعت اس کے لئے بھی ہے۔ تصویر کی حرمت کی وجہ سے وسائل تصویر بھی حرام ٹھہرے۔ اور جس چیز کے ذرائع کو بھی حرام قرار دیا گیا ہو وہ تو صرف کسی خاص اور راجح مصلحت کے تحت ہی مباح ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اپنی حفاظت یا اپنے محکمے کی پہچان کے لئے یا اسی طرح دوسری کسی خاص مصلحت کی بنا پر، جس میں مصلحت راجح اور غالب ہو یا جس کا کوئی بدل نہ ہو سکتا ہو، اس کام کو کراہت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اور اس سے غیر مانوس رہتے ہوئے تصویر بنائی جا سکتی ہے۔

٦) پتھروں کو چومنا یا دفعِ مصیبت کے لئے کوئی چیز لٹکانا:

پتھروں اور دروازوں کو چھونا، چومنا یا ان پر کوئی چیز لٹکانا (وہ مسجدوں کے دروازے ہوں یا خانہ کعبہ وغیرہ کی دیواریں ہوں) تو یہ سب کام بھی بدعات و محدثات میں سے ہیں۔ کعبہ کے علاوہ مختلف پتھروں اور دروازوں کو چھونا تاکہ ان سے برکت حاصل ہو یہ شرک ہے کیونکہ برکت یا تبرک کا مطلب ہے نفع خیر کی طلب و چاہت، تو یہ کسی پتھر یا لکڑی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ "عقائد" کے بیان میں ذات انواط" والی حدیث پاک پہلے گزر چکی ہے وہ اس

---

[1]) بخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ (ح: ۵۹۵۰) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصوری صورۃ الحیوان (ح: ۲۱۰۹)

[2]) بخاری حوالہ سابق (ح: ۵۹۵۱، ۵۹۵۳) مسلم، حوالہ سابق (ح: ۲۱۰۸، ۲۱۱۱)

مسئلہ میں بڑی واضح دلیل ہے۔

باقی رہا معاملہ کعبہ کی دیواروں کا، تو حجر اسود کو چھونا، چومنا اور رکن یمانی کو چھونا صرف یہی سنت سے ثابت ہے[1] باقی دیواروں کو چھونا جائز نہیں ہے۔البتہ ملتزم سے اپنے رخسار سینے اور بدن کو لگانا یہ بھی سنت سے ثابت ہے۔[2] چونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسے کیا ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔

کعبہ کی باقی دیواریں، دوسرے کونے، یا غلاف کعبہ کو چھونا یا بوسہ دینا بدعت ہے، جس کا سنت سے کوئی نشان نہیں ملتا، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے دونوں شامی ارکان جو حطیم کی جانب ہیں کو چھونے والے مؤقف سے دست برداری کا اظہار کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مؤقف کو تسلیم کر لیا تھا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یوں کہا تھا:

(لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا) (بیت اللہ کا کوئی ایک حصہ بھی ترک نہیں کیا جاسکتا۔)

تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (یقیناً آپ سب کے لئے رسول اللہ (ﷺ) ہی میں بہترین نمونہ ہے۔)

تو اس کے جواب میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''صَدَقْتَ'' کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا۔

اس مکالمے کو امام احمد وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔[3]

بالکل اسی طرح ہر مسلم کو بدعات و محدثات کو ترک کرتے ہوئے سنت نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

---

[1]) بخاری، کتاب الحج، باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین (ح: ۱۶۰۹) و باب تقبیل الحجر (ح: ۱۶۱۰) ، مسلم، کتاب الحج، باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین فی الطواف (ح: ۱۲۶۷، ۱۲۷۰)

[2]) ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الملتزم (ح: ۲۹۶۲)

[3]) مسند احمد (۱/ ۲۱۷) واللفظ لہ، ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی استلام الحجر والرکن الیمانی (ح: ۸۵۸) ، بخاری، کتاب الحج باب من لم یستلم الا الرکنین الیمانیین (ح: ۱۶۰۸ مختصراً)

۷)عبادت کی نیت سے جبل عرفات پر چڑھنا:

دعاء کرتے وقت جبل عرفات کی جانب منہ کرنا اور عبادت کی نیت سے اس پر چڑھنا جبل عرفات کی کوئی خاص فضیت نہیں ہے صرف رسول اللہ ﷺ اس کے پیچھے قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہوئے تھے (یعنی جب آپ ﷺ نے دعاء فرمائی تھی تو جبل عرفات کعبہ کی جانب آپ کے سامنے اتفاقاً ہی تھا قصداً نہیں تھا) اور آپ ﷺ نے یوں فرمایا تھا:

«وَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»[1]

(میں اس مقام پر کھڑا ہوں جب کہ سارا عرفہ ہی کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔)

لہٰذا عرفہ کے روز یا کسی دوسرے دن جبل عرفات کی طرف منہ کر کے دعاء کرنے کی کوئی فضیلت ہے اور نہ ہی مستحب۔ بلکہ اگر کوئی اسے لازمی خیال کرتے ہوئے یا ایسی دعاء کی فضیلت سمجھتے ہوئے یوں کرے تو اس کا یہ کام بدعت تصور ہوگا۔اس طرح جبل عرفات پر۔۔۔اللہ کی عبادت اور حصول تقرب کی نیت سے چڑھنا بھی بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ اس کے اوپر نہیں چڑھے تھے بلکہ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ تو حصول قرب الٰہی کی خاطر اس پر چڑھنا۔ جیسا کہ لوگوں کا اس پر چڑھنے میں ازدھام اور رش نظر آتا ہے۔ یہ بدعات میں سے ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نور بصیرت عطا فرمائے۔

۸)غارِ حراء پر عبادت کی نیت سے جانا:

بعض ایسے آثار و مقامات کی زیارت کو جانا جن کی زیارت از راہ عبادت مشروع نہیں ہے جیسے غار حراء وغیرہ یا ان کی زیارت کے مشروع ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ تو یہ بھی نئی ایجاد کردہ بدعات میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ، صحابہ کرام اور تابعیں عظام میں سے کسی نے بھی ان آثار کی زیارت نہیں کی۔ حالانکہ وہ ہم بعد والوں کی نسبت نیکی، فضل اور اتباع سنت کے زیادہ حقدار تھے۔ ان آثار و مقامات کی زیارت کے ذریعے اظہار تعظیم اور حصول تقرب شرک تک پہنچانے کے اسباب میں سے ہے۔ اسی لئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو دیکھ کر جو ایسی جگہ نماز پڑھ رہے تھے جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ تھی، یوں فرمایا تھا:

---

[1]) مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ ،(ح: ۱۲۱۸) وباب ماجاء ان عرفۃ کلھا موقف(ح: ۱۴۹/ ۱۲۱۸)

﴿اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِمِثْلِ هٰذَا يَتَّبِعُوْنَ اٰثَارَ اَنْبِيَائِهِمْ﴾[1]

(تم سے پہلے والے بھی تو اسی طرح ہلاک ہوئے تھے کہ وہ بھی انبیاء کرام کے آثار کے (بے دلیل) پیچھے پڑ گئے)

۹) عورتوں کے لئے احرام میں سفید لباس افضل سمجھنا:

اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ حرام میں عورتوں کے لئے سفید لباس زیادہ فضیلت والا ہے۔

یہ بھی عوام الناس کی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے۔ عورت کے لئے حالت احرام میں صرف دستانے، ہاتھ پاؤں کے زیورات اور نقاب باندھنا منع ہے۔[2] اس عورت کے لئے ہر طرح کا لباس مباح ہے کسی ایک لباس کو دوسرے لباس پر کوئی فضیلت اور برتری نہیں ہے۔

عورت کے کسی لباس کو بھی ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیئے کہ جو اس کی زینت اور اس کے بدن کی خوبصورتی کو نمایاں اور ظاہر کرے اور نہ ہی ایسا ہونا چاہیے جو اس کے جسم کے انگ انگ کو الگ الگ کر دکھائے یا اس کے بازو، اس کی پنڈلی یا دیگر اعضاء کو ظاہر کرے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جید سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

﴿نَهَى النِّسَاءَ فِي إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانَ مِنَ الثِّيَابِ﴾[3]

(آپ نے حالت احرام میں عورتوں کو دستانے پہننے (یا ہاتھ پاؤں کے زیورات پہننے) اور نقاب کرنے سے اور ہر اس کپڑے کو پہننے سے منع فرمایا ہے جسے ورس یا زعفران خوشبو لگی ہوئی ہو۔)

اسی طرح عورت کو حالت احرام میں ایسے شوخ رنگ والے کپڑے بھی زیب تن نہیں کرنے چاہیئے، جو جاذب نظر اور دلکش ہوں یا حالت احرام میں ترک وزیبائش وآرائش کے منافی ہوں۔ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حجۃ الوداع کے موقع پر شوخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے اور سرمہ لگائے ہوئے ان لوگوں میں دیکھا تھا جنہوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا تھا۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا تھا[4] مسلم شریف کی اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے حلال ہونے (یعنی احرام کھولنے) کی خبر بھی نہ تھی۔ گویا کہ ان کے ہاں یہ بات

---

1) فتح المجید (ص ۲۵۶۹ باب ماجاء ان الغلو فی قبور الصالحین، یصیرھا اوثانا۔
2) بخاری، کتاب جزاء الصید، باب ماینھی من الطیب للمحرم والمحرمۃ (ح: ۱۸۳۸)
3) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب مایلبس المحرم (ح: ۱۸۲۷) وھو عند البخاری انظر السابق۔
4) مسلم، کتاب الحجۃ النبی ﷺ (ح: ۱۲۱۸)

چلی آتی تھی کہ عورت ایسے جاذب نظر اور شوخ رنگ والے کپڑے حالت احرام میں نہیں پہنا کرتی تھی۔

حالت احرام کے بعد عورت جیسے کپڑے پسند کرے یا جو رنگ بھی چاہے ریشمی، سنہری وغیرہ یا پاجامہ، شلوار، قمیص، یا موزے وغیرہ پہن سکتی ہے، لیکن اجنبی غیر محرم مردوں سے مکمل ستر پوشی اور پردے کی شرط کے ساتھ۔ اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

۱۰) نبی کریم ﷺ کے روضہ پر جائے بغیر حج ناقص سمجھنا:

نبی کریم ﷺ کے روضہ کی زیارت کیے بغیر حج کے نامکمل ہونے کا عقیدہ رکھنا۔ یہ بات کچھ ممالک کے عوام میں مشہور ہو چکی ہے۔ حالانکہ یہ محض ایک خطاء اور غلطی ہے۔ کیونکہ ارکان حج واجبات حج یا سنن حج میں نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت شامل نہیں ہے۔ اس پر صحابہ کرام، تابعین عظام اور فضیلت والے دور کے معروف ائمہ دین اور ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔

حج کے بعد قبر نبوی (ﷺ) کی زیارت کے سلسلے میں ملنے والی تمام احادیث میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس کا بیان آیندہ مسئلہ میں آرہا ہے۔

اور اگر کوئی حاجی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا شوق رکھتا ہے تو یہ مستحب عمل ہے۔ اس میں دوسری مساجد کے مقابلے میں ایک ہزار درجے زیادہ ثواب اور فضیلت کی بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔[1] اگر اس نے مسجد نبوی میں صرف نماز پڑھنے کے لئے قصد کیا ہے تو اس کی فضیلت کے پیش نظر یہ مستحب ہے۔ پھر جب وہ نماز ادا کر چکے جتنی اس کے مقدر میں ہو تو پھر اس کے لئے جائز ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر سلام کہہ لے۔ نبی اکرم ﷺ پر سلام کہنے اور اس کے جواب میں، قریب و بعید والے سب مساوی ہیں۔ اب اسے چاہیے کہ سلام پیش کرے لیکن کوئی فضول اور لایعنی بات نہ کرے، اور نہ ہی زیادہ دیر تک وہاں کھڑا رہے۔ بلکہ سلام کہنے پر ہی اکتفا کرے اور چل دے، یہی بات رسول ﷺ کو محبوب ہے۔

۱۱) من گھڑت روایات کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھنا:

ان میں سے چند ایک یہ بھی ہے:

۱) ﴿مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي﴾ (جس نے حج تو کر لیا لیکن میری زیارت نہ کی اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔)

۲) ﴿مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَقَبْرَ أَبِيْ إِبْرَاهِيْمَ فِيْ عَامٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ﴾

---

[1]) بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب (ح: ۱۱۹۰)

(جس نے ایک ہی سال میں میری قبر کی اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قبر کی زیارت کر لی اس کے لئے شفاعت واجب ہو گئی۔)

۳) ﴿اِذَا ضَاقَتْ بِكُمُ الصُّدُوْرُ (الاُمُوْرُ) فَعَلَيْكُمْ بِاَصْحَابِ الْقُبُوْرِ﴾

(جب تمہارے اوپر حالات تنگ ہو جائیں تو تم قبروں والوں کو لازم پکڑ لینا۔)

۴) ﴿لَوِ اعْتَقَدَ اَحَدُكُمْ فِيْ حَجَرٍ لَنَفَعَهُ﴾

(تم میں سے اگر کوئی پتھر پر بھی عقیدہ پختہ کرے تو وہ بھی ضرور نفع پہنچادے گا)۔

یہ سب جھوٹی روایات ہیں۔اہل علم نے ایسی تمام روایات پر یوں فیصلے دیے ہیں کہ یا تو یہ من گھڑت ہیں یا ان کی کوئی اصل ہی نہیں۔

۱۲) طوافِ وداع کے بعد الٹے پاؤں چلنا:

یہ بھی نئی ایجاد شدہ بدعات میں سے ہے۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب طواف وداع فرمایا تھا تو ان کے متعلق ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے۔تو اس کام کو کرنا یا اس کے درست ہونے کا عقیدہ رکھنا بدعت ہوگا۔

۱۳) نبی اکرم ﷺ کی قبر کا طواف کرنا:

یہ تو شرک ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔کیونکہ طواف کرنا تو عبادت ہے تو نبی اکرم ﷺ کی قبر کا طواف کرنا اسے بت بنانا ہے حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعاء مانگی تھی۔

﴿اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ﴾[1] (اے اللہ! میری قبر کو بت بنانا کہ جس کی عبادت ہونے لگے۔)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی دعاء کو قبول فرماتے ہوئے آپ کی قبر کو محفوظ رکھا ہے۔کیونکہ آپ کی قبر مبارک تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا، پھر بھی لوگوں نے قبر کے حجرے کو ہی بیت اللہ سمجھ لیا ہے جس کا طواب کیا جاتا ہے، اور یہ شرک ہے۔کیونکہ بیت اللہ کے سوا کوئی بھی گھر اور حجرہ ایسا نہیں ہے جس کے طواف کو اللہ کی عبادت کہا جا سکے یا جس کے طواف کو شریعت نے جائز قرار دیا ہو۔

---

[1]) موطا امام مالک (۱/ ۱۷۲) کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، بب جامع الصلاۃ، مرسلاً مسند احمد (۲/۲۴۶) عن ابن ہریرہ رضی اللہ عنہ

۱۴)مزدلفہ اور منیٰ میں راتیں بسر کرنے میں تساہل:

''لیلۃ النحر'' (چاند کی دسویں رات)مزدلفہ میں گزارنا اور ''لیالی منیٰ'' (منی کی راتیں یعنی گیارہویں(۱۱)، بارہویں(۱۲)اور تیرہویں(۱۳) راتیں) منی میں گزارنا واجبات حج میں سے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ (البقرۃ: ۱۹۸/۲)

(پھر جب عرفات سے چلو' تو مشعر حرام(مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو۔)

تو یہ آیت مبارکہ واجب ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حکم الٰہی کی تفسیر اپنے عمل مبارک سے ایسے ہی فرمائی ہے کہ آپ ساری رات مزدلفہ میں رہے یہاں تک کہ آپ نے فجر ادا فرمائی اور پھر مزید دن کے روشن ہونے تک (لیکن طلوع شمس سے قبل تک) ٹھہرے رہے۔[1] لیکن ضعیفوں اور ان جیسے دوسرے افراد کے لئے نصف رات کے بعد بوجہ عذر مزدلفہ سے کوچ کرنے کی رخصت ہے۔جس طرح کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَتْ سَوْدَةُ امْرَأَةً ثَبِطَةً فَاسْتَأْذَنَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ تُفِيضَ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ فَأَذِنَ لَهَا»[2]

(ام المومنین سودہ (رضی اللہ عنہا) بھاری جسم والی خاتون تھیں' انہوں نے رات ہی کو رسول اللہ ﷺ سے مزدلفہ سے روانہ ہونے کی اجازت مانگی تھی توآپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مزدلفہ کی رات رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل وعیال میں سے جن کمزوروں کو پیشگی روانہ فرمادیا تھامیں بھی ان میں شامل تھا۔[3] اسی طرح مسند احمد میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں موجود ہے۔[4]

بخاری ومسلم میں موجود سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت میں یوں ہے:

---

[1]) بخاری کتاب الحج، باب من یصلی الفجر بجمع (ح: ۱۶۸۳)

[2]) بخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفۃ اھلہ بلیل فیقفون بالمزدلفۃ (ح: ق ۶۱۸) مسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقدم، دفع الضعفۃ من النساء (ح: ۱۲۹۰۹)

[3]) بخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفۃ اھلہ بلیل (ح: ۱۶۷۸) مسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقدم دفع الضعفۃ من النساء (ح: ۱۲۹۳)

[4]) مسند احمد (۲/ ۳۳)۔

«انَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَذِنَ لِلظُّعُنِ»[1]

(رسول اللہ ﷺ نے ہودج والیوں کو جانے کی اجازت دے دی۔)

یہ فرمان مبارک تو عذر والیوں سب عورتوں کو عام ہے۔

مزدلفہ میں رات گزارنے کے وجوب پر عمل یا حکم الٰہی کی تعمیل مزدلفہ میں اکثر رات گزار لینے سے ہو جاتی ہے۔اور یہ اکثر رات نصف سے زائد مراد ہے خواہ تھوڑی سی ہی ہو۔اکثر اہل علم کا یہی مؤقف ہے۔

اسی طرح منیٰ کی راتیں منیٰ میں گزارنی واجب ہیں۔ صرف عذر والوں کے لئے جیسے کہ سقایہ والے(یعنی واٹر ڈیپارٹ منٹ والے) یا حاجیوں کے فائدے اور خدمت کے لئے کام کرنے والے یا اسی طرح جو لوگ ان کے حکم میں ہوں انہیں مکہ یا کسی دوسری جگہ میں راتیں گزارنے کی رخصت ہے۔اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث واضح دلیل ہے، کہتے ہیں:

«اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ أَنْ يَبِيتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ ، فَأَذِنَ لَهُ»[2]

(سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ کی راتیں ' پانی پلانے کی وجہ سے مکہ میں گزارنے کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں اجازت عطا فرمادی۔)

(اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بخاری اور مسلم ہی میں موجود ہے۔)

تو مذکورہ حدیث پاک میں ''اجازت مانگنا'' اسکے واجب ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ غیر واجب میں بلا اجازت ہی جانا یا اس کام کو کر لینا جائز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد مبارک میں بھی یہ مراد ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾ (البقرۃ:۲/۲۰۳) (اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کی یاد کرو۔)

تو اس حکم الٰہی کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں راتیں گزار کر فرمادی ہے جو اس امر کے وجوب کی دلیل ہے۔اسی طرح مسند احمد اور اصحاب السنن کا روایت کردہ فرمان رسول اللہ ﷺ بھی اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو بھی منی سے باہر

---

[1]) بخاری، کتاب الحج، باب من قدم ضعفة اهله بليل (ح: ۱۶۷۹) مسلم کتاب الحج باب استحباب تقدم دفعه الضعفة من النساء (ح: ۱۲۹۱)

[2]) بخاری، کتاب الحج، باب سقاية الحاج (ح: ۱۶۳۴)

راتیں گزارنے کی رخصت دی تھی۔[1]

۱۵)مزدلفہ اور منٰی میں بلاضرورت ہی دیر تک جاگتے رہنا:

یہ بھی سنت نبوی(علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے خلاف ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ جب مزدلفہ تشریف لائے تھے۔تو آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک آذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز(نفل سنت) وغیرہ نہیں پڑھی۔پھر آپ فجر طلوع ہونے تک سوئے رہے(رواہ مسلم، عن جابر رضی اللہ عنہ)[2]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک ہی یہی تھا کہ نماز عشاء کے بعد ماسوائے کسی ضروری حاجت کے مثلاً: علم کی خاطر یا کسی دوسری مصلحت کے لئے جاگتے نہیں رہتے تھے۔[3]

۱۶)سلائی والی چیز کو ممنوع قرار دینا:

اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ ایسی گھڑی یا ایسے جوتے پہننا جن میں سلائی کی گئی ہو وہ شرعاً ممنوع ہیں اور اسی طرح یہ خیال کرنا کہ جس چیز میں بھی سلائی ہو وہ قابل پرہیز ہے۔

یہ خیال بھی غلط ہے۔احرام والے کو سلے ہوئے کپڑے پہننے سے جو منع کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لباس جسمانی قد و قامت کے ناپ سے سلائی کیا گیا ہو، جیسے کہ عام کپڑے، شلواریں وغیرہ بعض علمائے سلف نے نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان مبارک کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اور اس کا عام معنی لیتے ہوئے ’’ سلے ہوئے ‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

---

[1]) مسند احمد (۵/ ۴۵۰) ابو داؤد کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار (ح: ۱۹۷۵) ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الرخصۃ للرعاۃ ان یرموا یوما ویدعوا یوما(ح: ۹۵۵) نسائی کتاب مناسک الحج، باب رمی الدعاء(ح: ۳۰۷۱) ابن ماجہ کتاب المناسک، باب تاخیر رمی الجمار من عذر (ح؛۳۰۳۷)

[2]) مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ (ح: ۱۲۱۸)

[3]) بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب مایکرہ من النوم قبل العشاء(ح: ۵۸۶) مسلم کتاب المساجد، باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا(ح: ۶۴۷)

(لَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا السَّرَاوِيلَ)[1]

(احرام باندھنے والا قمیص پہنے اور نہ ہی پگڑی باندھے 'نہ ٹوپی لے اور نہ ہی شلوار پہنے۔۔۔۔)

احرام والے کے لئے جوتے پہننا خواہ کیسے بھی ہوں مباح اور جائز ہیں۔ باقی رہا مسئلہ گھڑی وغیرہ کا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ارشاد کی روشنی میں اجتناب ہی بہتر ہے۔

(لَا تَعْقِدْ عَلَيْكَ شَيْئًا)[2] (اپنے ساتھ کوئی چیز نہ باندھو)

باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

۱۷) حج وغیرہ میں آلاتِ طرب (ڈھول، باجے وغیرہ) کا استعمال:

باجوں گاجوں اور ڈھول ڈھمکوں کا استعمال بھی جائز نہیں ہے، روزوں کے آخر (مسئلہ نمبر ۶) میں اس کے دلائل گزر چکے ہیں۔

۱۸) قبل از وقت رمی جمرات کر لینا:

قبل از وقت جمرات کو کنکریاں مار لینا کافی نہیں ہوں گی بلکہ وقت آنے پر ان کا اعادہ کرنا واجب ہوگا"یوم النحر" تو سارا دن ہی" رمی کا وقت" ہے البتہ جو آدمی نصف رات کے بعد مزدلفہ سے ادھر آجائے اس کے لئے نصف شب بھی" رمی کا وقت ہے۔" اور ایام منی میں "رمی کا وقت" زوال شمس کے بعد ہے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں:

(كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا)[3]

(ہم وقت کا حساب رکھا کرتے تھے 'تو جس وقت سورج ڈھل جاتا تو ہم جمرات کو کنکریاں مارا کرتے تھے۔)

جب کہ مسلم شریف میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر کو تو چاشت کے وقت "جمرۃ"

---

1) بخاری، کتاب الحج، باب مالا یلبس المحرم من الثیاب (ح: ۱۵۴۲) مسلم، کتاب الحج، باب ما یباح للمحرم بحج اور عمرۃ لبسہ (ح: ۱۱۷۷)

2) مصنف ابن ابی شیبۃ (۴/ ۲/ ۴۹) السنن الکبری للبیہقی (۵/ ۵۱)

3) بخاری، کتاب الحج، باب رمی الجمار (ح: ۱۷۴۶)

کو رمی فرمائی تھی جب کہ بعد کے ایام میں سورج کے زوال کے بعد۔[1]

۱۹) کنکریاں مارنے سے قبل انہیں دھونا:

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ کنکری پلید اور نجس نہیں ہوتی، اس کے لئے طہارت کی شرط بھی نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں ماری ہیں، لیکن انہیں دھویا نہیں تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے ہی میں بہترین نمونہ ہے، اس مسئلہ میں امام الموفق رحمہ اللہ نے یوں لکھا ہے:

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان کنکریوں کو دھونا مستحب نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ (نبی اکرم ﷺ سے ایسا کرنا ہم تک نہیں پہنچا اور یہی صحیح اور درست ہے۔ امام عطاء رحمہ اللہ' امام مالک رحمہ اللہ اور بہت سے اہل علم کا یہی کہنا ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کے لئے کنکریاں چنی گئیں تو گرپڑیں اور آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے تو آپ نے دوبارہ انہیں ہاتھوں میں پکڑا[2] لیکن انہیں دھویا نہیں تھا۔ اور نہ ہی انہیں دھونے کا حکم ہی دیا تھا اور نہ ہی اس میں ایسا کوئی معنی ملتا ہے جو دھونے کا تقاضا کرتا ہو' اگر کوئی آدمی پلید کنکری بھی جمرات کو مار دے گا تو وہ بھی اسے کافی ہو جائے گی کیونکہ وہ کنکری ہی ہے)[۳] امام الموفق کی بات پوری ہوئی۔

۲۰) حجر اسود کے پاس مردوں کی موجودگی میں عورتوں کا رش کرنا:

عورت قابل پردہ چیز ہے۔ اور اس کے ذمے لازم ہے کہ وہ ایسی حرکت کرنے سے اجتناب ہی کرے وہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور بھیڑے کرنے جیسے افعال، جو گناہ کا سبب بنیں یا اس کے حج میں یا فرائض میں نقص پیدا کرنے والے ہوں، ان کی کوشش ہی نہ کرے۔

حجر اسود کو بوسہ دینا واجب نہیں ہے۔ جس کے لئے مردوں سے جھگڑے اور دھکم پیل کے بغیر آسانی سے ممکن ہو جائے تو اس کے لئے بہت ہی اچھا ہے ، وگرنہ دھکم پیل سے بچ کر رہنا ہی اس کے لئے واجب ہے۔ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یوں فرمایا تھا:

(اے عمر! اگرچہ تو قوی اور توانا آدمی ہے لیکن حجر اسود پر دھکم پیل نہ کرنا)۔[٤]

---

[1]) مسلم، کتاب الحج، باب بیان وقت استحباب الرمی (ح: ۳۱۴/ ۱۲۹۹)

[2]) نسائی، کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصی (ح: ۳۰۵۹)

[3]) المغنی (۵/ ۲۹۱)

[4]) مسند احمد (۱/ ۲۸) اس حدیث کی سند کو شیخ شعیب ارناؤوط اور دیگر محققین نے مسند احمد کی تخریج ص ۱/ ۳۲۱ میں حسن قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث میں ذکر کردہ مسئلہ کے کئی ایک

تو یہ دھکم پیل تو شرعی عذر کی موجودگی میں بالکل منع ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں یوں روایت بیان کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں سے الگ تھلگ ان سے اختلاط کیے بغیر ہی خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں تو ایک خاتون نے ان سے عرض کیا، اے ام المومنین ! تم اپنی مرضی سے چلی جاؤ اور خود جانے سے انکار کر دیا۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے مردوں کے ساتھ دھکم پیل کو ناپسند کیا ہے۔[1]

۲۱) بلاضرورت ہی رمی جمرات وغیرہ میں کسی کو وکیل بنانا:

رمی جمرات میں عورتوں اور کمزوروں کا وکیل بنالینے میں کوئی حرج تو نہیں ہے، کیونکہ رمی جمرات میں رش اور ایذاء وغیرہ پہنچتی ہے۔ لیکن اگر رمی جمرات کے وقت رش اور مشقت و تکلیف والی صورت نہ ہو تو وکیل بنانے کی اجازت نہیں ہے۔اہل علم کے ایک گروہ نے یوں بھی کہا ہے:

''کہ نفلی رمی جمرات میں مطلق طور پر وکیل بنانا جائز ہے قدرت والے اور غیر قدرت والے میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

۲۲) اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ رمی جمرات کے مقام پر شیطان ہوتا ہے:

تو یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ تینوں مقام وہ ہیں جیسا کہ ذکر ملتا ہے کہ ان مقامات میں ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شیطان آیا تھا۔[2] تو یہ تینوں عبادت کے مقامات ٹھہرے۔ تو ان مقامات کے پاس کنکریاں پھینک کر اور ذکر کر کے اللہ کی عبادت کی جاتی ہے وہاں جمرہ پر شیطان تو کھڑا نہیں ہوتا۔

۲۳) عرفات سے غروبِ آفتاب سے پہلے آنا یا مزدلفہ سے پہلے نکلنا:

غروب آفتاب سے قبل میدان میں غروب آفتاب کے بعد تک رہنا یہ واجب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غروب آفتاب کے بعد سرخی اور پھر زردی غائب ہونے تک میدان عرفات ہی میں رہے تھے۔امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی ایک روایت بیان کی ہے۔[3] سیدنا عروہ بن مضرس

شواہد بھی موجود ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تخریج و تحقیق مسند احمد (۱/ ۳۲۱، ۳۲۲) (ابوالحسن مبشر احمد ربانی)

[1]) بخاری، کتاب الحج، باب طواف النساء مع الرجال (ح: ۱۶۱۸)

[2]) مسند احمد (۱/ ۲۹۷) مستدرک حاکم (۱/ ۴۶۶) بیھقی فی السنن الکبریٰ (۵/ ۱۵۳)

[3]) مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ح: ۱۲۱۸)

رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث [1] کے پیش نظر رات میدان عرفات میں گزارنی ضروری ہے خواہ تھوڑی سی ہی کیوں نہ ہو۔اور جو آدمی غروب آفتاب سے قبل ہی میدان عرفات سے نکل جائے تو اس پر ایک قربانی لازم ہو گی۔

اسی طرح مزلفہ میں ٹھہرنا اور رات گزارنا بھی واجب ہے نبی اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے صرف بوڑھوں، کمزور عورتوں وغیرہ کو وہاں سے پہلے آنے کی اجازت دی تھی۔ جیسا کہ مسئلہ نمبر ۱۱۴ میں بیان گزرا ہے۔ جو آدمی مزدلفہ میں آدھی رات گزارنے سے قبل ہی ادھر سے چلا آئے تو اس نے بھی ایک واجب کو ترک کر دیا۔ تو اس کے ذمے بھی قربانی آئے گی کیونکہ مزدلفہ میں ٹھہرنا بھی واجبات حج میں سے ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

(خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ)[2] (تم مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھ لو۔)

۲۴) عرفہ میں ہونے کے باوجود یومِ عرفہ کا روزہ رکھنا:

نبی کریم ﷺ نے عرفہ میں ہوتے ہوئے یوم عرفہ کا روزہ نہیں رکھا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے یوم عرفہ کے روزے میں شک سا پیدا ہوا۔ تو میں نے آپ ﷺ کے پاس کچھ دودھ روانہ کیا اس وقت آپ ''مؤقف'' یعنی میدان عرفات میں کھڑے تھے۔ تو آپ نے اسے نوش فرمایا جب کہ لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔[3] سیدہ ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے بھی بخاری اور مسلم، میں اس کی مثل روایت موجود ہے۔[4]

---

1) ابوداؤد، کتاب المناسک، باب من ہلم یدرک عرفۃ(ح: ۱۹۵۰) ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی من ادرک الامام بجمع فقد ادرک الحج(ح: ۸۹۱) نسائی کتاب مناسک الحج، باب فیمن لم یدرک صلاۃ الصبح مع الامام بالمزدلفۃ(ح: ۳۰۴۲) ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب من اتی عرفۃ قبل الفجر لیلۃ جمع(ح: ۳۰۱۶)

2) مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر راکبا(ح: ۱۲۹۷) بلفظ مختلف

3) بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم عرفۃ(ح: ۱۹۸۹) مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الفطر للحاج بعرفات یوم عرفۃ(ح: ۱۱۲۴)

4) بخاری کتاب الحج، باب الرکوب علی الدابۃ، بعرفۃ(ح: ۱۶۱۶) مسلم، حوالہ سابق(ح: ۱۱۲۳)

۲۵)مزدلفہ پہنچتے ہیں کنکریاں چننا:

بعض لوگوں کا مزدلفہ پہنچتے ہی کنکریوں کو اٹھانے اور جمع کرنے میں مشغول ہو جانا۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے کہ کنکریوں کو دسویں ذوالحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے یا پھر وہاں سے واپس ہٹتے ہوئے راستے میں سے چنی جائیں جیسے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں:

﴿قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ غَدَاةَ الْعَقَبَةِ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى رَاحِلَتِهِ هَاتِ الْقُطْ لِي. فَلَقَطْتُ لَهُ﴾[1]

(رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی صبح کو مجھے یوں فرمایا جب کہ آپ سواری پر تھے کہ میرے لئے کنکریاں چنو' تو میں نے آپ کے لئے کنکریاں چنیں۔)

خرید و فروخت میں پائی جانے والی خطائیں

۱)جو ملکیت میں نہیں وہ چیز فروخت کرنا:

ایسی چیز کو بیچنا جس کا وہ مالک ہی نہیں یا مالک کے وکیل بنانے کے بغیر ہی بیچ دینا، یہ جائز نہیں ہے۔ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جو کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں پوچھتا ہوں:

﴿يَأْتِينِي الرَّجُلُ يَسْأَلُنِي مِنَ الْبَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدِي أَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوقِ ثُمَّ أَبِيعُهُ﴾

(میرے پاس کوئی آدمی آتا ہے جو ایسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس ہی نہیں ہے' کیا میں وہ چیز بازار سے خرید کر اسے بیچ سکتا ہوں؟)

تو نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا:

---

[1]) نسائی، کتاب مناسک الحج، باب التقاط الحصی (ح: ۳۰۵۹) ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب قدر حصی الرمی (ح: ۳۰۲۹) صحیح ابن خزیمہ (۲۸۶۷)

(لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ)

(کہ ایسی کسی چیز کو فروخت نہ کرنا جو آپ کے پاس نہ ہو۔) [1]

اہل علم نے (مَا لَيْسَ عِنْدَكَ) کا معنی یہ بیان کیا ہے (مَا لَا تَمْلِكُ) کہ جس چیز کا تو مالک نہیں ہے۔ اور اسی طرح کی ایک روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بھی ملتی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

(لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ) [2]

(بیک وقت قرض اور بیع جائز نہیں ہے' ایک ہی بیع میں دو شرطیں بھی جائز نہیں' اور نہ ہی وہ منافع جائز ہے جس کا ضامن نہ ہوا جائے' اور نہ ہی وہ بیع جائز ہے جو تیرے پاس نہیں۔)

۲) مجہول چیز کی بیع:

جیسے کوئی آدمی ایسی چیز کو فروخت کرے جو خریدار نے دیکھی بھی نہ ہو، اور نہ ہی اسے کسی خاص صفت سے پہچانتا ہو۔ ''فروخت ہونے والی چیز'' کو جہالت کی وجہ سے بیع نہ تو درست ہے اور نہ ہی جائز۔ ایسی بے شمار صورتیں جن میں وہ چیز لا نا معلوم ہو ان کے بارے میں نہی وارد ہے۔ جیسے کہ:

۱۔ مال غنیمت کی تقسیم سے قبل ہی کوئی چیز بیچنا۔ [3]

۲۔ ملامسہ یعنی ہاتھ کے چھونے سے ہی بیع پکی کرنا۔ (سامان کو دیکھے بغیر محض چھو کر ہی سودا کر لینا) [4]

۳۔ منابذۃ یعنی صرف پھینک دینے سے ہی بیع پکی کرنا۔ (تجارتی سامان گاہک کی طرف پھینک کر ہی سودا طے کر لینا قبل اس کے کہ وہ اس

---

1) مسند احمد (۳/ ۴۰۲) ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ (ح: ۳۵۰۳) ترمذی کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندہ (ح: ۱۲۳۲) نسائی، کتاب البیوع، باب بیع مالیس عند البائع (ح: ۴۶۱۷) ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب النھی عن بیع مالیس عندک (ح: ۲۱۸۷)

2) مسند احمد (۲/ ۱۷۹) ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ (ح: ۳۵۰۴) ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندہ (ح: ۱۲۳۴) نسائی، کتاب البیوع، باب بیع مالیس عندہ (ح: ۴۶۱۵) ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب النھی عن بیع مالیس عندک (ح: ۲۱۸۸)

3) ابوداؤد، کتاب التجارات، باب النھی عن بیع مالیس عندک (ح: ۲۱۵۸)

4) بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الملامسۃ (ح: ۲۱۴۴،۲۱۴۵) مسلم، کتاب البیوع، باب ابطال بیع الملامسۃ والمنابذۃ (ح: ۱۵۱۱،۱۵۱۲)

کا معائنہ کرے)[1]

۴۔ بیع الحصاۃ یعنی کنکری پھینک کر بیع کرنا۔(تجارتی سامان میں سے کسی پر بھی کنکری مار کر اس کی بیع کر لینا)[2]

۵۔ بیع الغرر یعنی دھوکہ سے بیع کرنا۔[3]

۶۔ بیع حبل الحبلہ یعنی حمل کے حمل کی بیع کرنا۔(جاہلیت کا طریقہ تھا کہ ایک اونٹنی خریدتے پھر اس کی قیمت دینے کی معیاد یہ مقرر کرتے ایک اونٹنی جنے پھر اس کے پیٹ کی اونٹنی بڑی ہو کر جنے)[4]

۷۔ایسی مچھلی کی بیع کرنا جو ابھی پانی ہی میں ہو وغیرہ وغیرہ۔[5]

ان مذکورہ تمام صورتوں کی سنت مبارکہ میں نہی وارد ہے اور یہ سب جہالت یا لاعلمی کی وجہ سے حرام ہے۔

یا تو اصل چیز کی جہالت کہ وہ چیز معلوم نہیں یا اس کے وصف اور علامت کی جہالت۔

تو مجہول چیز کی بیع، جیسے کہ مذکورہ صورتیں ہیں یا اس طرح کی دیگر صورتیں جس میں جہالت پائی جائے۔جو زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نئی بدل سکتی ہیں وہ منع ہیں اور ان صورتوں میں نہی،ان تمام صورتوں میں، 'بیع کے فساد' کا تقاضا کرتی ہے۔

---

1) بخاری، ومسلم،(حوالہ سابق)

2) مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع الحصاۃ والبیع الذی فیہ غرر(ح: ۱۵۱۳)

3) مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع الحصاۃ والبیع الذی فیہ غرر(ح: ۱۵۱۳)

4) بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الغرر وحبل الحبلۃ(ح: ۲۱۴۳)

5) یہ بیع الغرر ہی میں شمار ہوگی۔(تنقیح الرواۃ ۲/ ۱۶۸) اور مسند احمد(۱/ ۳۸۸) میں اس کا ذکر بھی ہے۔لیکن اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ضعیف ہے۔پانی کے اندر مچھلی کی بیع اس لئے درست نہیں کہ یہ دھوکہ کی بیع ہے کیونکہ جس چیز کو فروخت کیا جارہا ہے اس کی صحیح مقدار ہی معلوم نہیں خریدار کو قطعاً اس کا علم نہیں کہ پانی میں کتنی مچھلی ہے اور اس کی صورتحال کیا ہے اور نہ ہی بائع کو اس کا علم ہے۔علاوہ ازیں سمندر دریا میں مچھلیاں بائع کے قبضہ میں بھی نہیں واللہ اعلم بالصواب(ا ح)

۳) کسی بھی سودے کو، اس کے معلوم عیوب ونقائص بیان کیے بغیر بیچنا:

اور یہ دھوکہ میں شامل ہے، امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

(مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)[1] (جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

قابل فروخت چیز کے عیب اور نقص چھپانا جائز نہیں سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

(اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ)[2]

(مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے' اور کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو ایسی چیز بیچے جس میں کوئی عیب ہو مگر اس شکل میں کہ اس عیب کو اس کے لئے بیان کر دے۔)

۴) پرانے سونے کو نئے سونے کے بدلے فرق ختم کیے بغیر بیچنا:

یہ بھی سودی معاملات میں سے تفاضل کی شکل ہے یعنی ایک طرف سے زیادہ لینا یا دینا ہے، کیونکہ سونے اور چاندی اور جو چیزیں ان کے قائم مقام ہیں میں بیع صرف اس صورت میں جائز ہے جب یہ ہاتھوں ہاتھ اور برابر برابر ہوں، خواہ یہ نقدی (یعنی درہم و دینار) کی شکل میں ہو یا ڈھلی ہوئی (یعنی زیورات کی) شکل میں، دونوں صورتوں میں مساوی حکم ہے۔ ڈھل جانے کے باوجود وہ سونا ہی رہتا ہے اس لئے حکم ایک ہی ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

(لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ)[3]

(کہ سونے کو سونے کے عوض مت فروخت کرو مگر برابر برابر یعنی ایک دوسرے سے کم، زیادہ کر کے فروخت نہ کرو، اور چاندی کے عوض چاندی کو فروخت نہ کرو مگر برابر برابر یعنی ایک دوسرے میں کمی بیشی کر کے مت بیچو اور غائب چیز کو حاضر کے عوض فروخت نہ کرو، یعنی ایک طرف

---

1) مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ ''من غشنا فلیس منا (ح: ۱۰۱)

2) ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ (ح: ۲۲۴۶)

3) بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الفضة بالفضة (ح: ۲۱۷۷) مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا (ح: ۱۵۸۴)

سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار۔)

(لاَتَبِیعُوا الذَّھَبَ بِالذَّھَبِ وَلاَ الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلاَّ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلاً بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ)[1]

(سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض مت بیچو مگر اس صورت میں کہ دونوں طرف سے وزن ایک ہو، مثل ایک جیسی ہو، ہاتھوں ہاتھ ہو اور مساوی مساوی ہو۔)

اگر ایک آدمی کے پاس ڈھلا ہوا یعنی زیورات کی صورت میں پرانا سونا اور وہ نیا سونا خریدنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پرانے کو الگ بھاؤ میں بیچ کر اس کی قیمت وصول کرے پھر جیسے چاہے اس کی قیمت سے سونا خریدے خواہ ڈھلا ہوا ہو، خواہ نہ ہو۔

۵) ایک ہی بیع میں ڈبل بیع کرنا:

تو بیع کی یہ صورت بھی ممنوع ہے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

(مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَۃٍ فَلَہٗ اَوْ کَسُھُمَا اَوِ الرِّبَا)[2]

(جس آدمی نے ایک ہی بیع میں ڈبل بیع کی تو اس کے لئے دونوں میں سے کم قیمت ہو گی یا پھر سود ہو گا۔)

جب کہ مسند احمد، جامع ترمذی، اور سنن نسائی میں الفاظ اس طرح آتے ہیں۔

(نَھَی النَّبِیُّ ﷺ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَہ)[3]

(کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی بیع میں ڈبل بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔)

ایک ہی بیع میں ڈبل بیع کے مفہوم کو امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اور شرح تہذیب السنن میں اس طرح بیان کیا ہے:

''اس کی تفسیر یوں بیان کی جاتی ہے کہ کوئی آدمی یوں کہے کہ اس چیز کو دس (روپے) نقد میں خرید لو، پھر فوراً ہی میں اسے بیس (روپے) ادھار میں تجھ سے خرید لیتا ہوں۔ تو یہ عین ''بیع العینہ'' قرار پائے گی (بیع العینہ یہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا) تو یہ معنی حدیث پاک کے بالکل مطابق ہے۔ اگر اس بیچنے والے کا مقصود صرف یہی نقد دس روپے ہیں جو وہ ادھار کے بیس

---

1) مسلم، کتاب المساقاۃ، باب الربا (ح: ۷۷/ ۱۵۸۴)

2) ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ (ح: ۳۴۶۱)

3) مسند احمد (۲/ ۴۳۲) ترمذی کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیعتین فی بیعۃ (ح: ۱۲۳۱) نسائی کتاب البیوع، باب بیعتین فی بیعۃ (ح: ۴۶۳۲)

روپوں کے نام سے لینا چاہتا ہے تو وہ صرف اپنے "راس المال" کا ہی حقدار ہے تو یہ (اوکس الثمنین) یعنی دونوں قیمتوں میں سے کم قیمت ہے، اگر وہ اپنے ہی مال کو لیتا ہے، تو گویا اس نے کم قیمت لے لی، اور اگر وہ زیادہ قیمت لیتا ہے تو اس نے سود وصول کیا۔ تو اس صورت میں دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اسے ضرور اختیار کرنا پڑے گا۔ یا دونوں قیمتوں میں سے کم قیمت یا پھر سود، اس حدیث پاک کا اس کے سوا کوئی اور مطلب نہیں ہے۔"[1] امام ابن القیم کا کلام ختم ہوا۔

۶) سگریٹ فروخت کرنا یا فحش لٹریچر بیچنا:

حرام چیزوں مثلاً سگریٹ وغیرہ بیچ کرنا، یا ایسے رسالوں وغیرہ کی خرید وفروخت کرنا جن میں عورتوں کی تصاویر ہوں یا سگریٹوں کے اشتہارات یا گندی فلمیں یا وہ آلات اور ساز وسامان جو حرام کاموں میں استعمال ہوتے ہیں یا ایسی کتابوں کی خرید وفروخت کرنا جن میں مخرب اخلاق یا عشقیہ باتیں تحریر ہوں۔

علمائے کرام نے مذکورہ کاموں کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ایسے رسالوں اور فلموں کا فتنہ عظیم ہو چکا ہے، اسی سے ان کی حرمت ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (الاحزاب: ۳۳/ ۵۹)

(اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں، اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے مزید یوں فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النور: ۲۴/ ۱۹)

(جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

اور رسول ہدایت ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

---

[1]) تھذیب السنن لابن قیم (۵/ ۹۸)

﴿الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ﴾[1]

(عورت ساری کی ساری ہی قابل پردہ ہے' جونہی وہ باہر نکلتی ہے شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے (یا شیطان اسے بڑے غور سے دیکھتا ہے۔))

تو ان تصاویر کا کیا حکم ہوگا؟ جو کفار کی عورتوں یا ان جیسی دوسری عورتوں کی ہوں، جو فتنوں میں مبتلا کر دینے والی ہیں۔ تو جب اس مسئلے کی حرمت دلائل شرعیہ اور علماء کے فتاویٰ سے معلوم ہو چکی تو یہ بھی جان لیں کہ حرام چیزوں کی قیمت وصول کرنی بھی جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ﴾[2]

(بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام کہہ دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔)

اسی طرح کی روایت مسند احمد اور ابوداؤد وغیرہ میں بھی موجود ہے[3] اس روایت کی اصل صحیحین میں پائی جاتی ہے۔[4]

تو کسی حرام کی قیمت کھانے والا حرام کھانے والا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس سے سلامت رہنے کا سوال کرتے ہیں۔

۷) فحش کیسٹیں فروخت کرنا:

گانے کی کیسٹوں اور ویڈیو کی ایسی کیسٹوں کی خرید وفروخت کرنا جن میں عورتوں کی تصاویر ہوں یا جو عقل وذہن کو تباہ وبرباد کرنے والے خیالات پر مبنی ہوں یا بے حیائی کو پھیلانے والی ہوں۔

مسئلہ نمبر ۶ عنوان اور اس کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ حرام ہیں۔

---

1) ترمذی، کتاب الرضاع، باب استشراف الشیطان المراۃ اذا خرجت (ح: ۱۱۷۳)

2) دارقطنی (۳/ ۷)

3) مسند احمد (۱/ ۲۴۷، ۳۲۲) ابوداؤد کتاب البیوع، باب فی ثمن الخمر والمیتۃ (ح: ۳۴۸۸)

4) بخاری، کتاب البیوع، باب لا یذاب شحم المیتۃ ولا یباع ودکہ (ح: ۲۲۲۳) مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام (ح: ۱۵۸۲)

۸)بیع نجش یعنی کسی چیز کی ارادۂ خریداری کے بغیر قیمت کو بڑھانا:

تو یہ بھی جائز نہیں ہے، جس طرح کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے یہ بیان کرتے ہیں:

«نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ»[1]

(رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع فرمایا ہے)

۹)ایک مسلمان بھائی کے سودے پر سودا کرنا:

یعنی دس (روپے) میں بیچنے والے آدمی کو یوں کہے مثلاً: میں تجھ سے یہی چیز بارہ (روپے) میں خریدتا ہوں یا اس کی دوسری صورت یوں بنتی ہے کہ جو آدمی کسی سے مثلاً: آٹھ روپے میں کوئی چیز خریدتا ہے تو کوئی دوسرا اس سے یوں کہے کہ بالکل ایسی ہی چیز میں تجھے صرف چھ روپے میں بیچتا ہوں یا ایسی ہی کوئی اور صورت تو یہ سب ناجائز ہیں۔ کیوں کہ ان تمام صورتوں میں ایک دوسرے سے پیچھے ہٹانا، ایک دوسرے سے قطع تعلق کروانا، حسد وغیرہ جیسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمان نبوی یوں قلمبند کیا ہے:

«لا یبع الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ»[2]

(کوئی آدمی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔)

۱۰)خرید و فروخت میں دھوکہ دہی اور چالبازی سے کام لینا:

دھوکہ دینا تو جائز نہیں ہے جیسا کہ امام مسلم وغیرہ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»[1]

---

[1]) بخاری، کتاب البیوع، باب النجش (ح: ۲۱۴۲) مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ (ح: ۱۵۱۶) اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص ایک دوکاندار اور دوسرا کوئی ساتھ ملے ہوں اور کسی گاہک کو دھوکہ دینے کے لئے اس کے سامنے دوکاندار کا ساتھی گاہک کے روپ میں بڑھا چڑھا کر قیمت لگائے جس سے خریدار کو مغالطہ ہو کہ واقعی یہ بہت قیمتی شیء ہو گی اور زیادہ قیمت پر اسے خریدنے پر آمادہ ہو جائے حالانکہ دوکاندار کے ساتھی کا ہرگز بھی خریدنے کا ارادہ نہیں تھا محض قیمت بڑھوانا تھا۔ (ط ع)

[2]) بخاری، کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیہ (ح: ۲۱۴۰) مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ (ح: ۱۴۱۳)

(جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا وہ ہم سے نہیں ہے۔)

دوسری روایت میں الفاظ یوں بھی ہیں:

(لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ)[2] (جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں)

اسی طرح چال بازی بھی منع ہے اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دلیل ہے:

(لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ۔۔۔۔۔ الحدیث)[3]

(اونٹنیوں اور بکریوں وغیرہ کا دودھ مت روکو) (یعنی بیچنے کی نیت سے تاکہ گاہک اور خریدار دودھ زیادہ دیکھ کر خرید لے۔)

تو یہ بھی دھوکہ ہی ہوا اور چال بازی کا معنی یہ ہے کہ اپنے سامان کو صرف بیچنے کی نیت سے وقتی طور پر اچھا کہے اور اس کے نقص و عیب کو چھپائے۔

۱۱) اپنے سامان کو فروخت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا:

ایسی قسمیں کمائی اور برکت کو ختم کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی (ﷺ) بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

(اَلْحَلَفُ مُنْفِقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْكَسْبِ)[4]

(جھوٹی قسم اگرچہ سامان تو بیچ دیتی ہے لیکن کمائی سے برکت کو ختم کر دیتی ہے۔)

اللہ تبارک وتعالی نے یوں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (آل عمران: ۷۷)

(وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں تو ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے تو سخت دردناک سزا ہے۔)

---

1) مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ ''من غشنا فلیس منا'' (ح: ۱۰۱)

2) ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی النھی عن الغش (ح: ۳۴۵۲)

3) بخاری، کتاب البیوع، باب النھی للبائع ان لایحفل الابل۔۔۔۔(ح: ۲۱۴۸) مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ (ح: ۱۱/ ۱۵۱۵)

4) صحیح بخاری، کتاب البیوع، (ح: ۲۰۸۷) صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب النھی عن الحلف فی البیع (۱۳۱/۱۶۰۶)

اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے یہ فرمان مبارک روایت کرتے ہیں:

"کہ تین آدمی ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا بھی نہیں نہ انہیں پاک صاف کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہی باتیں تین بار دہرائیں۔ توابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دریافت کیا خائب و خاسر ہو جائیں۔ یارسول اللہ! وہ لوگ کون ہیں؟ توآپ نے فرمایا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا' احسان کر کے جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے سامان کو فروخت کرنے والا۔[1]

(اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے) جھوٹی قسم کھانے کی حرمت اور خیر و برکت کو ختم کرنے کے بیان میں احادیث مبارکہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۱۲) خرید و فروخت کے احکام کی معرفت میں تساہل اور سستی کرنا:

مسلمانوں کی اکثریت ان احکامات کی واقفیت اور تعلیم و تعلم میں سستی اور کاہلی کا شکار ہے۔ ایسے احکامات کی واقفیت کو چھوڑنا بسا اوقات حرام کھانے پینے کا سبب بن جاتا ہے، اور اکثر اوقات ناجائز خرید و فروخت کا کام مال حرام کمانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لہٰذا تمام "اشیاء فروخت کنندگان" کو احکامات خرید و فروخت" کا علم سیکھنا چاہیے تاکہ ان کی نجات کا راستہ ہموار ہو سکے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ بازاروں میں گھوما پھرا کرتے تھے، اور ایسے تاجروں کو درے مار مار کر یوں فرمایا کرتے تھے:

«لَا یَبِعْ فِیْ سُوْقِنَا اِلَّا مَنْ یَّفْقَهُ وَاِلَّا اَکَلَ الرِّبَا شَآءَ اَمْ اَبٰی»

(جو آدمی "احکامات خرید و فروخت" سے ناواقف اور ناشناسا ہے وہ ہمارے بازار میں سودا فروخت نہ کرے' وگرنہ چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے وہ سود خور ہی ہے)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن سند سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان اس طرح نقل کیا ہے:

«لَا یَبِعْ فِیْ سُوْقِنَا اِلَّا مَنْ تَفَقَّهَ فِی الدِّیْنِ»[2]

(ہمارے بازاروں میں صرف وہی آدمی سودا سلف فروخت کرے جو دینی احکامات کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے)

---

[1]) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار۔۔۔(ح: ۱۰۶) عن ابی ذر رضی اللہ عنہ۔

[2]) ترمذی، کتاب الوتر، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ، علی النبی ﷺ (ح: ۴۸۷)

مردوں میں پائی جانے والی خطائیں

۱)لباس میں غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا:

لباس پہننے اور بال کٹوانے میں اہل مغرب سے مشابہت اختیار کرنا۔ کفار سے مشابہت اختیار کرنا منع ہے۔ خصوصاً ایسے کاموں میں جو ان کے لئے مخصوص بن چکے ہیں جیسے خاص لباس اور مخصوص جسمانی وضع قطع وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک کی روشنی میں:

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾[1]

(جس نے کسی بھی (غیر) قوم کی مشابہت اختیار کی وہ یقیناً انہی میں سے ہوگا۔)

رہا معاملہ لباس پہننے کا! تو رسول اللہ ﷺ نے کافروں جیسے لباس زیب تن کرنے سے بھی منع کیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن پر زرد رنگ کے دو کپڑے دیکھے تو فرمایا:

﴿إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا﴾[2]

(یہ کافروں کے لباس میں سے ہیں انہیں مت پہنو۔)

تو یہ حدیث پاک اس بات کی دلیل ہے کہ جو لباس کافروں کے لئے خاص بن جائیں ان کا پہننا مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح بالوں کی حجامت کا معاملہ ہے، بخاری اور مسلم کے حوالے کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کی "بال لٹکانے" میں مخالفت فرمائی ہے۔[3] اسی طرح بالوں کی ایسی وضع قطع جو کفار کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہو رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان مبارک کے عموم میں داخل ہے:

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾[4]

---

[1]) مسند احمد (۲/ ۵۰) ابوداؤد کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ (ح: ۴۰۳۱)

[2]) مسلم، کتاب اللباس، باب النھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر (ح: ۲۰۷۷)

[3]) بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ (ح: ۳۵۵۸) مسلم، کتاب الفضائل، باب صفۃ شعرہ ﷺ (ح: ۲۳۲۶)

[4]) ابوداؤد کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ (ح: ۴۰۳۱)

علمائے کرام نے فرمایا ہے: یہ حدیث پاک ہر اس مشابہت کے حرام ہونے کا تقاضا کرتی ہے جو بھی کام اور اندرون (کافروں) کے لئے خاص پہچان بن چکا ہو۔ بلکہ ''مشرکین کی مخالفت'' تو شریعت میں مقصود ہے اور فی الجملہ ہمیں اسی کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

۲) نمازوں سے غفلت اور کھیل کو ترجیح دینا:

نمازوں اور لازمی کاموں کی بجائے گیند بلے ہی میں مصروف رہنا یہ تو ''ایمان کی کمزوری'' یا پھر '' ایمان کے زوال'' کے دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴾ (مریم: ۱۹/ ۵۹)

(پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی' پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دور چار ہوں۔)

نماز تو دین کا رکن ہے اسے ہر طرح کے کھیل کود پر مقدم رکھنا واجب اور ضروری ہے تاکہ اسے بر وقت ادا کیا جا سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو ان لوگوں کو جو نماز کی شان اور مقام کو کم سمجھتے ہوئے اس سے غافل ہو جاتے ہیں اور اسے یاد نہیں رکھتے یوں وعید بھی سنائی ہے:

﴿ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّينَ (۴) الَّذِينَ هُمۡ عَن صَلَاتِهِمۡ سَاهُونَ ﴾ (الماعون: ۱۰۷/ ۴،۵)

(پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔)

تو ہر اس آدمی پر نماز فرض ہو جاتی ہے جو بھی اذان کی آواز کو سن لیتا ہے اسے کسی بھی طرح کے کھیل کود یا کاروبار یا کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں رہنا چاہیے!

۳) حرام باتوں کو سننا، یا اخلاق باختہ مناظر دیکھنا، یا اخلاق سے گرے ہوئے رسائل و جرائد کو پڑھنا۔

۴)انتہائی تنگ یاانتہائی باریک کپڑے پہننایامونچھوں کولمباکرنااورداڑھی کواسترے سے صاف کرنا۔

۵)بیرونی ممالک کاسفراختیارکرنایابری عادات کواختیارکرنا۔

۶)آلاتِ موسیقی کااستعمال۔

ان جملہ امور کا بیان، ان کے انجام سے آگاہی، ان کے شرعی احکام اور پھر ان کے کتاب وسنت سے دلائل پیشگی بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو سلامتی کا طالب ہو، گناہوں کو چھوڑنے والا ہو اور فرائض کو بجالانے والا ہو۔

قراءت، مشاہدہ اور استماع میں خطائیں

مزید کانوں اور آنکھوں کے غلط استعمال کا بیان

۱)ایسے ناولوں، رسالوں اور ڈائجسٹوں کو پڑھنا جو بری عادات وحرکات پر انگیخت کرنے والے ہوں یا جو تعلیم شریعت اسلام کے منافی ہوں یا جو اخلاق سے گرانے والے ہوں۔

۲)ایسی فلموں یا ایسے عشقیہ اور پولیس کے کردار پر مبنی ڈراموں کو دیکھنا جو بری عادات اور جرائم کو بڑھانے والے ہوں۔

۳)ایسے کھیل کے مقابلوں اور کشتیوں کے دیکھنے میں وقت کو ضائع کرنا جن کے اختتام پر کوئی عطیہ اور انعام نہ ہو۔

۴)موسیقی اور گانوں کو سنتے رہنا۔

مذکورہ چاروں باتوں کے بارے میں ممانعت اور حرمت بدلائل شرعیہ سب کو معلوم ہے، ان کے متعلق دلائل قبل ازیں تفصیل سے بیان ہو چکے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۳۶)

(یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔)

ایسی تصاویر کو دیکھنا جن میں مردوں کا "قابل ستر" حصہ بھی نمایاں عریاں ہوتا ہو جیسے کہ "کشتی کے مقابلہ جات" یا عورتوں کے "قابل ستر" اعضاء عریاں نظر آتے ہوں جیسے کہ فلمیں اور سلسلہ وار ڈرامے سیریل وغیرہ سب ممنوع ہیں۔ ان سے مکمل اجتناب ہونا چاہیے۔ اسی طرح موسیقی کو سننے سے بھی بچنا چاہیئے۔ ان چیزوں سے بچ کر رہنے کے دلائل گزر چکے ہیں۔

اسی طرح ایسی ان تمام کتابوں کو پڑھنے سے بھی گریز کرنا چاہیے جو ایک مسلمان کے حق میں ضرر رساں ہوں تاکہ مسلمان اپنے دین کی حفاظت کر سکے، آخرت میں اجر وثواب کا مستحق بن سکے، مزید گناہوں اور پھر ان کے برے اثرات سے سلامت رہ سکے۔

باقی رہا "کھیلوں کے مقابلوں" کو دیکھنا تو اگر وہ نماز یا کسی شرعی واجب کام سے مشغول کر دینے والے ہیں تو وہ بھی ممنوع اور ناجائز ہیں، لیکن اگر وہ مشغول کرنے والے نہیں یا ان میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں ہے، پھر بھی ان کو نہ دیکھنا ہی بہتر ہے۔ ایسے "مقابلہ جات" دیکھنے والوں میں کم ہی لوگ آپ کو ملیں گے و گرنہ اکثریت میں درج ذیل خامیاں جنم لے لیتی ہیں مثلاً گروہ بندی، پارٹی بازی، ایک دوسرے کے خلاف اظہار نفرت و کراہت، غیر اللہ سے (اللہ جیسی) محبت اور جاہلیت کے طور اطوار وغیرہ۔

۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی میں تساہل:

"نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا، حسب استطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ اس امت کے بہترین ہونے کے لئے یہی بنیادی عنوان ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۱۰)

(اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہوں جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اس میں سستی اور تساہل جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ترک کرنے اور اس میں سستی کا شکار رہنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت برسنے اس کے غیظ و غضب کے نازل ہونے اور اس کے عذاب و عقاب کے اترنے کی راہیں بھی ہموار ہو سکتی ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (۷۸) كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۷۸،۷۹)

(بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داوٗد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔)

امت مسلمہ تو خیر کی طرف بلانے والی اور نیکی کا حکم کرنے والی ہے، اور نیکی ہر وہ کام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے اور شریعت میں اس کی اچھائی معلوم و مفہوم ہے، بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو چھوڑ دینے ''دعاؤں کی عدم قبولیت'' کا ایک بڑا سبب بھی ہے۔ لوگ دعائیں تو مانگیں لیکن ان کی شنوائی نہ ہو تو یہ بہت بڑی آفت و مصیبت ہو گی۔ جب کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے ''ایک چشم زدن'' بھی بے پرواہ نہیں ہو سکتے، اسی لئے تو رسول ہدایت ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

(لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ)[1]

(تم ضرور بضرور نیکی کا حکم کرتے رہنا اور ضرور بر ضرور برائی سے روکتے رہنا یا پھر اس امر کا انتظار کرنا کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب نازل کر دے پھر تم اسے پکارو گے لیکن وہ تمہاری پکار کو قبول نہیں فرمائے گا) اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر دو عالم ﷺ کے حکموں کی تعمیل کرتے ہوئے ہم تمام نیکیوں کو بجالائیں اور سب منکرات و معصیات سے بچ جائیں۔

ہم پر واجب اور لازمی ہے اور مسلمان کو یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے انہی میں اس کی خیر اور نجات اور اس کی خیر خواہی اللہ تعالیٰ کا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک عمل کے ذریعے سے نیکیوں کے حصول اور درجات کی بلندی کو اس بندے کے لئے پسند فرمایا ہے تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی بات کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہیئے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادے اور اس کی کوتاہیوں سے در گزر فرمادے۔

[1]) ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، (ح: ۲۱۶۹)

سفر کی خطائیں

۱)ایسی سیر وسیاحت کرنا جس سے واجباتِ دین ضائع ہوں:

سیر وسیاحت اور اسی طرح کسی دوسرے کام کی غرض سے بیرون ملک سفر کرنا جس سے واجباتِ دین ضائع ہوتے ہوں اور محرمات کا ارتکاب لازم آتا ہو۔ یہ تو واضح منکرات اور ظاہر محرمات میں سے ہے۔ کسی بھی ایسے بیرونی ملک کا سفر جہاں شرک وکفر، فسق وفجور اور محرمات کو حلال سمجھا جاتا ہو اس کا سفر اختیار کرنا جائز نہیں ہے ماسوائے کسی خاص ضرورت اور حاجت کے یا پھر اس آدمی کے لئے جائز ہے جو وہاں پہنچ کر دین اسلام کا اظہار کرے حق اور توحید الٰہی کو اعلانیہ بیان کرے۔

لیکن ایسا سفر میں جس میں نافرمانی غالب ہو یا واجبات وفرائض سے ہاتھ دھونا پڑے یا جو آدمی وہاں پہنچ کر اپنے دین کو بیان نہ کر سکتا ہو تو کسی بھی اہل علم نے ایسے سفر کو جائز نہیں کہا ہے۔اور یہ آفت تو عام ہو چکی ہے صرف وہی بچا ہوا ہے جسے اللہ نے بچایا ہوا ہے۔

۲)کفار سے دوستی لگانا ان کے اقوال وافعال کو اپنانا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ (المجادلۃ: ۲۲/۵۸)

(تم کبھی ایسا نہیں پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں' جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں' یا ان کے بیٹے' یا ان کے بھائی' یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے' اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔۔۔۔۔)

کافروں سے دوستی تو ایمان کے منافی ہے، اپنے اپنے حسب حال یا تو پورے ایمان کے یا پھر کمال ایمان کے۔ایک مسلمان کے ذمے یہ لازم ہے کہ کافروں کی محبت کے تمام علاقے اور رشتے کاٹ کر رکھ دے۔ کیونکہ ان اللہ کے دشمنوں اور اس کی شریعت اور دین کے دشمنوں سے وہ آدمی کبھی بھی محبت و مودت نہیں رکھ سکتا جو صرف اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والا ہے۔امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

اَتُحِبُّ اَعۡدَآءَ الۡحَبِيۡبِ وَ تَدَّعِی
حُبًّا لَّهُ مَا ذَاكَ فِیۡ اِمۡكَانِ

(کیا تو اپنے محبوب سے محبت کا دعویدار بھی ہو اور اپنے محبوب کے دشمنوں سے محبت بھی رکھے کیا ایسا ممکن ہے؟)

باقی رہا کافروں کے اقوال و افعال کو اپنانا، ان کی مشابہت اختیار کرنا (اس پر تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے) رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمان کی موجودگی میں جائز نہیں ہے:

(مَنۡ تَشَبَّهَ بِقَوۡمٍ فَهُوَ مِنۡهُمۡ)[1] (جس نے کسی بھی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ ان ہی میں سے ہوگا۔)

۳) کافروں کے ممالک میں اظہارِ اسلام نہ کرنا:

کافروں کے ممالک میں دعوت الی اللہ اور اظہار اسلام کو ترک کر دینا، اور اسلام کے محاسن کو بیان نہ کرنا۔

مشرکین کے ممالک کی طرف سفر کے مباح ہونے کی شروط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے دین اسلام کا اظہار کیا جانا چاہیئے۔ تو جو آدمی اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اس کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ مسلمان سے تو دعوت الی اللہ پیش کرنے اور اظہار اسلام یعنی دین اسلام کو غالب دیکھنے کی کوشش کرنے کے لئے اپنے دین کو مکمل بنانا اور اپنے ایمان کو بڑھانے جیسے مطالبے اور تقاضے کیے گئے ہیں۔ اور ممالک غیر اسلامیہ میں تو اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ بالکل یہی انداز تھا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کا اور کے متبعین کا، جو بھی کافروں کے ملکوں میں داخل ہوئے تھے۔ وہ تو اسلام کے داعی بنے ہوئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدولت بہت سی امتوں اور خلق کثیر کو فائدہ بخشا۔ (فَرَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَاَرۡضَاهُمۡ)

۴) بیرونِ ملک مسلمانوں کی شہرت کو داغدار کرنا:

ایسے برے افعال سے مسلمانوں کی شہرت و نیک نامی کو داغدار بنانا جو چند مسلمان بیرون ملک جا کر اپنا لیتے ہیں۔

مسلمان تو ایسا نمونہ ہے جو اپنی ذات اور شخصیت کی بجائے اپنے دین اور اپنی امت کو اجاگر کرتا ہے، اور بسا اوقات ایسا بھی ہو چکا ہے کہ جو آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے صرف ان لوگوں کے برے کردار اور اپنے دین سے بیگانہ رہنے کی بنا پر وہ غیر مسلم اسلام ہی سے دور رہتا ہے۔

---

[1]) ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ (ح: ۴۰۳۱)

۵)بیرونِ ملک سفر اختیار کرنے کی دعوت دینا یا کافروں کے ممالک اور ان کے کاموں کی تعریفیں بیان کرنا

۶)ان ممالک سے ایسی تصاویر درآمد کرنا جو بیرونِ ملک سفر کرنے پر آمادہ کریں یا ایسے رجحانات کو عام کریں

ایسے لوگ تو معصیت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ تو ان پر اپنا بھی اور ان لوگوں کا بھی گناہ اور بوجھ ہوگا جو اس دعوت کو قبول کرلیں گے۔ جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پاک موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے کسی بھی نیک راہ کی طرف دعوت دی، اسے اتنا اجر و ثواب ملے گا جتنا اس نیک راہ پر چلنے والوں کو ہوگا اور اس سے ان کے اجر و ثواب سے کچھ کمی بھی نہ ہوگی۔ اور جس نے کسی بھی غلط راستے کی طرف دعوت دی اسے اتنا گناہ ملے گا جتنا اس غلط راستے پر چلنے والوں کو گناہ ہوگا اور اس سے ان کے گناہوں میں سے کچھ کم بھی نہیں ہوگا۔ [1]

اور سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں:

«وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلاَ يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ» [2]

(جس نے اسلام میں کوئی برا کام شروع کیا' اس کے بعد اس پر عمل کیا جانے لگا' تو اس شروع کرنے والے پر بھی اتنا ہی بوجھ اور گناہ لکھا جاتا رہے گا جتنا اس پر چلنے اور عمل کرنے والوں کو ملتا رہے گا اور ان کے گناہوں سے کچھ کم بھی نہ ہوگا۔)

---

[1]) مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ (ح: ۲۶۷۴)

[2]) مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ (ح: ۱۰۱۷/۱۵)

۷) مسلمان خواتین کا بناؤ سنگار کر کے سفر کرنا:

مسلمان خواتین کا میک اپ اور بناؤ سنگھار کر کے بلا پردہ باہر پھرنا، پھر خصوصاً وہ بیرون ملک کا سفر کر رہی ہوں۔

عورت کا پورے بدن کو ڈھانپنا، پردہ کرنے کے شرعی دلائل کا بیان اس سے قبل گزر چکا ہے۔ یہ مذکورہ باتیں جو ہمارے سننے میں آرہی ہیں کہ ایسا ایسا کیا جاتا ہے تو اس کے اسباب میں سے یہ باتیں بھی ہیں!

کہ جو مسلمان عورتیں اپنے ملک سے باہر کسی بھی غیر ملک میں پہنچ کر پردے کا اہتمام نہیں کرتیں تو وہ دراصل صحیح معنوں میں اپنے دین و ایمان کی حفاظت نہیں کرتیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی ''پردہ کرنے'' میں اطاعت اختیار نہیں کرتیں حالانکہ صرف اللہ ہی کی ایسی ذات ہے کہ ہر جگہ پر اس کی عبادت کرنی چاہیے۔ اور صرف اسی کی اطاعت اختیار کرنی چاہیئے۔ سب مردوں اور عورتوں کو اپنے ملک میں اور غیر ملک میں صرف اسی کی اطاعت میں رہنا چاہیئے۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾ (النساء: ۱/۴) (بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔)

تو جو عورت آتش دوزخ سے اور عذاب قبر سے بچنا چاہتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے فرائض کی بجاآوری اپنے اوپر لازم قرار دے لینی چاہیئے۔ اسے بے پردہ پھرنے اور ایسے بناؤ سنگار کر کے باہر جانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جو بھی چہرہ یا جو بھی پنڈلی باہر لوگوں کے سامنے ننگی ہوگی اسے لازماً قبر میں اور قیامت کے دن اتنی مقدار میں آگ کی لپٹ برداشت کرنی پڑے گی اور جو عورت جنت کی خواہش مند ہے اسے طاعات کی حرص، پاک دامنی اور حجاب کی پابندی کا التزام رکھنا چاہیئے کیونکہ فرماں بردار اور پاک دامن خواتین کا آخری مقام رب رحمان کی بہشتیں اور جنتیں ہوگا۔

نافرمانیوں کا بکثرت ارتکاب کرنے والے تجھے دل برداشتہ نہ کریں یہ بات یاد رکھ کہ ہر زمانے میں نجات پانے والے ہمیشہ قلیل تعداد میں ہی ہوا کرتے ہیں:

﴿ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ﴾ (الانعام: ۱۱۶/۶)

(اور اے نبی ﷺ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔)

﴿ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴾ (هود: ۴۰/۱۱)

(اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو ان (نوح علیہ السلام) کے ساتھ ایمان لائے تھے۔)

صلہ رحمی کا بیان

۱)عزیز واقارب کی ملاقات کو چھوڑ دینا:

بعض اوقات تو یہی قطع تعلقی کا بہانہ بن جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمان کو صلہ رحمی یعنی رشتہ داری کو ملائے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ''صحیحین'' میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس طرح بیان کیا ہے:

(مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)[1]

(جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ صلہ رحمی رکھے۔)

صلہ رحمی کا ثواب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزائے خیر، روزی میں وسعت اور مرنے کے بعد اچھی یادگیری ہے۔ جس طرح کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

(مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)[2]

(جس آدمی کو یہ محبوب ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی کی جائے اور اس کے پیچھے اس کی یاد باقی رہے اسے چاہیے کہ رشتہ داروں سے میل جول قائم رکھے۔)

بخاری میں ایسی ہی ایک روایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[3]

صلہ رحمی کو چھوڑنے کا مطلب قطع تعلقی ہے، جس کی اللہ تعالیٰ مذمت یوں بیان کی ہے:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (۲۲) أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ﴾ (محمد: ۴۷/۲۲، ۲۳)

(اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو زمین میں پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں ناطے توڑو گے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور ان کو (سچی بات سننے سے) بہرا کر دیا ہے اور (سیدھا رستہ دیکھنے سے) ان

---

[1]) بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ (ح: ۶۱۳۸)

[2]) بخاری کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق لصلۃ الرحم (ح: ۵۹۸۶) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا (ح: ۲۵۵۷)

[3]) بخاری، حوالہ سابق (ح: ۵۹۸۵)

کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔)

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتی ہیں کہ آپ نے یوں فرمایا ہے:

(الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللهُ)[1]

("رحم" عرش رحمان سے لٹکا ہوا یوں کہہ رہا ہے: جس نے مجھے ملایا اللہ اسے ملائے اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے توڑے۔)

۲) معمولی سی وجہ سے رشتہ داروں کو خیر باد کہہ دینا:

شرعی سبب کے بغیر کسی کو چھوڑنا جائز اور روا نہیں ہے بلکہ تعلق قائم کیے رکھنا واجب ہے اگرچہ رشتہ دار تجھے اذیتیں بھی پہنچاتے رہیں۔"صلہ رحمی" رکھنے والا صرف وہی آدمی ہوتا ہے جو تعلق کو قائم رکھے اور اس کے عزیز و اقارب اس تعلق کو توڑنے والے ہوں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

(لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا)[2]

("برابر برابر تعلق رکھنے والا" صلی رحمی کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ آدمی ہے کہ جب اس سے تعلق کو توڑا جائے تو وہ اسے جوڑنے والا ہو۔)

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہ ایک آدمی عرض کرتا ہے یا رسول اللہ ﷺ! میرے رشتہ دار مجھ سے تعلق توڑتے ہیں جب کہ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں، وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں جب کہ میں ان سے حسن سلوک سے پیش آتا ہوں، وہ میرے ساتھ جہالت والا معاملہ کرتے ہیں جب کہ میں بردباری سے کام لیتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے تب یوں فرمایا:

اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے ابھی اظہار کیا ہے پھر تو گویا کہ تو ان کی امیدوں کو خاک میں ملا دے گا۔ جب تک تو ایسا ہی کرتا رہے گا اللہ کی طرف سے تیرا ایک مددگار بدستور قائم رہے گا۔[3]

---

[1]) بخاری، کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ (ح: ۵۹۸۹) مسلم کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا (ح: ۲۵۵۵) واللفظ لہ۔

[2]) بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی (ح: ۵۹۹۱)

[3]) مسلم، کتاب البر والصلۃ باب صلۃ الرحم (ح: ۲۵۵۸)

۳)عزیز واقارب سے قطع تعلق کرنا:

عزیز واقارب سے جان پہچان ختم کرنی، ان سے میل جول اور رابطہ ختم کرنا اگرچہ بذریعہ فون ہی ہو سکتا ہو، جب کہ ان سے بالمشافہ ملاقات ناممکن ہو۔

۴)غریب و مفلس رشتہ داروں کو بالکل چھوڑ دینا، مالی تعاون اور حسن سلوک سے ان کی غمگساری نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ملاحظہ ہو:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (النور: ۲۲/۲۴)

(تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ بلکہ انہیں معاف کر دینا چاہیئے اور درگزر کرنا چاہیئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔)

سیدنا سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی فرمان پیغمبر ﷺ یوں ہے:

«الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَعَلَى ذِي الرَّحِمِ اِثْنَتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»[1]

(مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہی ہے جب کہ رشتہ دار مسکین کو صدقہ دینا دوہرا اجر رکھتا ہے صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔)

اور بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اس طرح روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نے یوں دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! نیک سلوک کا زیادہ حقدار کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر بھی تیری ماں اس کے بعد تیرا باپ پھر زیادہ قرابت والا پھر اس سے کم قرابت والا۔[2]

---

[1] ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی القرابۃ (ح: ۶۵۸) نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی الاقارب (ح: ۲۵۸۳) ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ (ح: ۱۸۴۴)

[2] مسند احمد (۵/۳) ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی برالوالدین (ح: ۵۱۳۹) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی برالوالدین (ح: ۱۸۹۷)

۵) مستحق رشتہ داروں پر اپنا پیسہ خرچ نہ کرنا:

ایسے رشتہ داروں کے خرچ اخراجات میں تساہل برتنا جن کا نان ونفقہ اس کے ذمے بنتا ہو۔ایسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا لازمی ہو جاتا ہے جن پر خرچ کرنے والا کوئی نہ ہو۔اس کے صلے میں اسے خیر کثیر اور فضل عظیم میسر آئیں گے۔سیدنا طارق المحاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ﴾[1]

(جو تیری کفالت میں ہیں اس سے خرچ کو شروع کرو' اپنی ماں' اپنے باپ' اپنی بہن اپنے بھائی سے پھر اس سے قریب تر تعلق والے پر' پھر اس سے نچلے تعلق والے پر۔)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک (أُمَّكَ) (کا مطلب یہ ہے)(اَعْطِ أُمَّكَ) یعنی اپنی ماں کی مالی خدمت کرو۔

شادی بیاہ کے معاملات میں خطائیں

۱) بیوی کو پسند کرنے میں تساہل اور تغافل کا اظہار:

شادی کا ارادہ رکھنے والے کے ذمے جو بات انتہائی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسے دیندار بیوی کا انتخاب کرنا چاہیئے، جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اطاعت گزاری کے کاموں پر اس کی معاونت کر سکے، نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس فرمان مبارک میں اسی چیز کا حکم دیا ہے:

﴿تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ﴾[۲]

---

[1]) نسائی، کتاب الزکاۃ، باب ایتھما الید العلیا؟ (ح: ۲۵۳۳ صحیح ابن حبان (۲۵۶۲) مستدرک حاکم (۶۱۲/۲)

[2]) بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین (ح: ۵۰۹۰) مسلم، کتاب الرضاع باب استحباب النکاح ذات الدین (ح: ۱۴۶۶)

(عورت سے چار باتوں کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے۔

۱)اس کے مال کی وجہ سے۔

۲)اس کے حسب و نسب کی وجہ سے۔

۳)اس کے حسن و جمال کی وجہ سے۔

۴)اور اس کے دین کی وجہ سے۔

تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہو جائیں تو صرف دین والی کے ذریعہ کامیابی پالے۔)

یہ روایت بخاری و مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں ایسی ہی روایت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے([1]) اور صحیح مسلم شریف میں جابر بن عبداللہ سے موجود ہے۔([2])

۲)پیغامِ نکاح دینے والے کا اپنی منگیتر کو نہ دیکھ سکنا:

پیغام نکاح دینے والے کا اپنی ہونے والے بیوی کے ہاتھ اور چہرے کو دیکھنا مستحب ہے۔ تاکہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس عورت اور اس سے نکاح پر آمادہ کرنے والی چیز پر غور و فکر کر سکے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی سے جس نے کسی عورت سے منگنی کی ہوئی تھی یا اس کا شادی کرنے کا ابھی ارادہ ہی تھا، یوں فرمایا تھا:

﴿أُنْظُرْ إِلَيْهَا﴾[3] (اسے ایک بار دکھ لو۔)

امام احمد نے سند صحیح سے یوں روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا إِذَا كَانَ إِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا لِخِطْبَتِهِ وَإِنْ كَانَتْ لاَ تَعْلَمُ﴾[1]

---

[1]) مسند احمد (۸۰/۳، ۸۱) صحیح ابن حبان (۴۰۳۷) مسند ابی یعلی (۱۰۱۲)

[2]) مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب النکاح ذات الدین (ح: ۷۱۵/۵۴)

[3]) مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من ارادا لنکاح امراۃ۔۔۔۔(ح: ۱۴۲۴)

(جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اسے ایک بار دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جب کہ وہ اسے صرف پیغام نکاح دینے کے ارادے سے ہی دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ اس عورت کو اس کا علم نہ بھی ہو۔)

لیکن اگر آدمی کا اس سے نکاح کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو اسے دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اسے خلوت میں یا شرم وحیاء کو بلائے طاق رکھ کر نہ دیکھے۔ اسے معلوم کروائے بغیر دیکھنا مباح ہے یا اس کے اور اس کے اہل خانہ کے علم میں ہونے کے باوجود بھی اگر اس طرح اسے دیکھنا ممکن ہو۔

منگنی کے ارادے سے اپنی صاحبزادیوں کو یوں گھر والوں کے آمنے سامنے بٹھا دینا یہ کسی طرح بھی جائز اور مناسب نہیں ہے نہ ہی اہل غیرت ایسا کر سکتے ہیں۔ یہ تو صرف اس آدمی کے لئے ہے جس کی نکاح کی بات پکی ہو چکی ہو یا نکاح کرنے میں اس کی صداقت معلوم ہو چکی ہو۔ واللہ اعلم

۳) پڑھائی سے فراغت پانے تک شادی کو لیٹ کرنا:

یہ تو اس حکم کے بالکل برعکس ہے جو ایک مسلمان کو اپنی شرمگاہ اور اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کے لئے ملا ہوا ہے، ''جلدی کی شادی'' میں غالباً اور عموماً جسمانی صحت، عقل وذہن کی سلامتی اور روح کی راحت ومسرت پائی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک اس طرح ہے:

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو بھی نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ شادی کرے کیونکہ یہ آنکھ کو نیچا رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی چیز ہے اور جو اس کی قدرت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیوں کہ یہ اس کے لئے خصی کرنے کے مترادف ہے۔
) (اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے) [۲]

کسی مرد یا کسی بھی عورت کی طرف سے پڑھائی سے فراغت پانے تک شادی کو مؤخر کرنا ایک عجیب اور اجنبی سا کام ہے جو اغیار کی طرف سے ہم تک آن پہنچا ہے۔ امت اسلامیہ ایسی تعلیم سے ناواقف ہے۔ جب ایک نوجوان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ ایسا صاحب عقل وفراست بھی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا برتاؤ رکھ سکتا ہے تو ایسے نوجوان کے لئے شادی کر لینا مستحب ہے یا اس کے حسب حالت واجب ہے۔ بالکل اسی طرح نوجوان لڑکی کے لئے بھی یہی مسئلہ ہے۔ ''عالم بلوغت کی شادی'' دونوں مرد وعورت کے لئے کتنی ہی بہترین دوائی ہے اور پھر خصوصاً دور حاضر میں!

---

[1]) مسند احمد (۵/۴۲۴)

[2]) بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ '' من استطاع منکم الباءۃ (ح: ۵۰۶۵) مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسیہ الیہ (۱۴۰۰)

۴)طاقت سے بڑھ کر حق مہر مقرر کرنا:

حق مہر میں اصل بات تو یہی ہے کہ اس میں کوئی حد بندی نہیں ہے لیکن انتہائی زیادہ حق مہر مقرر کرنا سنت نبوی (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے خلاف ہے۔اس طرح یہ شادی سے دور رکھنے کے لئے ایک سبب بھی ہے تو ایسے سبب کا سد باب کرنا چاہیئے، لڑکیوں کے اولیاء کو حق مہر میں تخفیف سے کام لیتے ہوئے اس کی مقدار کو کم ہی رکھنا چاہیئے اور اپنی پیاریوں کے لئے نیک اور صالح افراد کا ہی چناؤ کرنا چاہیئے۔امام مسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت بیان کی ہے اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو ساڑھے بارہ اوقیہ حق مہر دیا تھا۔[1]

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خبردار! عورتوں کے حق مہر باندھنے میں غلو سے کام نہ لینا، اگر یہ دنیا میں قابل عزت کام ہوتا یا اللہ کے ہاں قابل منزلت عمل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ تم سب سے زیادہ اس کے حقدار تھے۔جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کے لئے یا اپنی بیٹیوں میں سے کسی کے لئے بھی بارہ اوقیہ سے زیادہ حق مہر نہیں باندھا۔"[2]

(اوقیہ: ایک رطل کا بارہواں حصہ یعنی ایک رطل میں بارہ اوقیہ ہوں گے اور ایک اوقیہ برابر ہوتا ہے تقریباً بارہ درہم کے، اور ایک درہم تقریباً ۱۸ اونس چاندی کے برابر ہے۔)

۵)بیوی کا خاوند کو ساتھ لے کر عورتوں کی محفل میں جانا:

ہمارے معاشرے میں جاری اس ہندووانہ طریقہ میں دو رکاوٹیں حائل ہیں۔

ا)اس فعل کے ارتکاب میں کفار سے مشابہت اختیار کرنا کہ خاوند اور بیوی کا ایک ساتھ کسی بلند جگہ میں اکھٹے بیٹھنا، جہاں پر بیوی کو خاوند کے اقرباء کا اور خاوند کو بیوی کی سہیلیوں کا ملنا ملانا اور سلام ودعاء کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے علاوہ ان کا ایک دوسرے کے پاس آنا جانا بھی ہوگا۔

---

[1]) مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق (ح: ۱۴۲۶)

[2]) مسند احمد (۱/۴۰، ۴۱) ابوداؤد، کتاب النکاح باب الصداق (ح: ۲۱۰۶) ترمذی، کتاب النکاح، باب (۲۳) منہ، (ح: ۱۱۱۴م) نسائی، کتاب النکاح، باب القسط فی الاصدقۃ (ح: ۳۳۵۱) ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب صداق النساء (۱۸۸۷)

۲)مرد کا غیر محرم عورتوں کو دیکھنا جو زیب و زینت اور بناؤ سنگار کر کے آئی ہوں۔ بلکہ بعض اوقات تو ان کے چہرے اور پنڈلیاں بھی عریاں ہوتی ہیں۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ اگر ہم نے ایسی باتیں نہ دیکھی ہوتیں یا نہ سنی ہوتیں تو ہم کبھی بھی ان باتوں کی تصدیق نہ کرتے کہ اہل توحید اور اہل غیرت ایسا کر سکتے ہیں۔ فاللہ المستعان۔

۶)تا۸)آدابِ زفاف ملحوظ نہ رکھنا اور فضول خرچی کرنا:

آداب زفاف کی نگہداشت کرنے میں تشاہل برتنا، کھانے پینے میں فضول خرچی اور اسراف کرنا، چراغاں کرنے اور لائیٹس جلانے میں اسراف کرنا۔

اسراف اور فضول خرچی سے باز رہنے کے متعلق دلائل، پیشگی بیان ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الانعام: ۱۴۱/۶)

(اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔)

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہتے ہیں:

کہ جیسا ولیمہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح کے موقع پر کیا تھا ویسا کسی بھی بیوی کے نکاح پر نہ کیا تھا، اس پر آپ نے ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا۔[1]

''دعوت ولیمہ میں میانہ روی اور قابل کفایت کھانا پینا حاضر خدمت کرنا ہی سنت مبارکہ ہے، بلا اسراف مہمانوں کی خاطر تواضع اور اوسط درجے کا خیال رکھنا ہی بہتر ہے۔''

۹)شادی میں پیسوں کو پھینکنا اور لوٹانا:

شادی بیاہ کے دوران روپے پیسے پھینکنے، کبھی کبھار تو ان روپوں پیسوں میں تحریر ذکر اللہ کی بھی توہین ہوتی ہے۔

اسماء باری تعالیٰ اور آیات الٰہیہ کی تعظیم و توقیر تو اصل مطلوب ہے وہ خواہ درہم و دینار میں ہوں۔ (یعنی روپوں پیسوں میں) یا کاغذات وغیرہ میں تحریر

---

[1]) بخاری، کتاب النکاح، باب الولیمۃ ولو بشاۃ (ح: ۵۱۶۸) مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش ونزول الحجاب (ح: ۱۴۲۸/۹۰)

ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ ﴾ (الحج: ۳۰/۲۲)

(اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لئے بہتر ہے۔)

اور پھر یوں بھی فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴾ (الحج: ۳۲/۲۲)

(اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔)

۱۰) گانا اور موسیقی کی کیسٹوں کا استعمال کرنا:

گانا گانے والوں اور گانے والیوں کو لانا یا ایسی کیسٹوں کا استعمال کرنا جن میں گانے اور موسیقی ریکارڈ ہو۔

تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آلات موسیقی کا استعمال جائز نہیں ہے اس پر قرآن وسنت اور اقوال صحابہ سے دلائل قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ صرف بچیوں کا اچھے کلام کے ساتھ یا جائز اشعار کے ساتھ "دف بجانا" جائز ہے وہ بھی شادی والی رات اور سہاگ والی رات [1] تو جس قدر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اس کام کو جائز رکھا ہے اسی قدر ہمیں محرمات سے بچتے ہوئے اپنے لئے کافی سمجھنا چاہیئے۔ [2]

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ گانا گانے والے اور گانے والیاں حرام مال کماتے ہیں، تو ان کو مال دینے والے نے کبھی "راہ حرام" میں مال خرچ کیا۔ کبھی کبھار تو یہ رقم ہزاروں تک ہوتی ہے، تو یہ کئی حرام کاموں کا مجموعہ ہوا۔ اس برائی میں گرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے ہمیں اور انہیں حق وہدایت پر استقامت نصیب فرمائے۔

---

[1]) بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح (ح: ۵۱۴۷)

[2]) موجودہ فتنے کے دور میں اگر بچیوں کے دف کے ساتھ اشعار پڑھنے سے بھی بچا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ بچیوں کے ساتھ بڑی لڑکیاں بھی اشعار گانے میں شامل ہو جائیں گی آبادی گنجان ہونے کی بنا پر آواز بلند ہونے سے غیر محرموں تک پہنچے گی جو فتنہ کا باعث بھی بنے گی۔ اگر بالفرض فتنہ کا باعث نہ بھی بنے تب بھی غیر محرموں تک عورت کی آواز پہنچنا روا نہیں ہے۔ اور دف کا بہانہ کر کے لوگ جدید طرز پر بنائی گئی دفین بھی اس انداز سے بجاتے ہیں کہ وہ ایک نیا ساز بن جاتا ہے۔ ویسے بھی لڑکیوں کی آواز کو جب وہ مل کر شعر گائیں گی گھر سے باہر یا گھر میں موجود مہمانوں تک جانے سے روکنا ممکن نہیں اس لئے اس سے بھی بچنا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن)

۱۱)عورتوں کا لاؤڈ سپیکر استعمال کرنا:

عورت کو اپنی آواز پست رکھنے کا حکم ہے، یہاں تک کسی اسلامی عبادت کی ادائیگی کے وقت بھی، تو غیر اسلامی کاموں میں کیا حکم ہو سکتا ہے؟ خود اندازہ لگالیں۔۔۔۔ تو عورتوں کا لاؤڈ سپیکر کو استعمال کرنا کسی صورت میں روا و جائز نہیں ہو سکتا۔

۱۲)شادی بیاہ کے موقع پر عورتوں وغیرہ کی تصاویر اتارنا:

تصویر اپنی تمام انواع و اقسام سمیت ممنوع ہے، اور عورتوں کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ سخت حکم ہے جب کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان نسوانی تصاویر کو مرد بھی دیکھیں گے، جیسا کہ معاشرے میں ہو رہا ہے۔ اور بعض اوقات تو ان عورتوں کی تصاویر باوجود انتہائی نگہداشت کے مردوں کی محفلوں تک آ پہنچتی ہیں تو اس میں ان مستورات کی ''ہتک عزت'' بھی ہے۔ اور ان کے باپ دادا، اور برادری کی بدنامی بھی۔ تصویر کے ناجائز ہونے کے دلائل پہلے جو بیان ہو چکے ہیں وہ آپ کو یاد ہی ہوں گے۔ جب عورت ''سرتاپا'' قابل پردہ ہے تو اس کی تصویر کے ناجائز ہونے میں کیا شک ہے؟

۱۳)ایک سے زائد شادیاں کرنے والے پر اعتراض و انکار کرنا:

تو یہ بھی ان آفتوں اور مصیبتوں میں سے ایک ہے جنہیں اسلامی شریعت کے دشمنوں نے پیدا کیا ہے۔ جب کہ ایک سے زائد شادیاں کرنا اسلام کا محکم فیصلہ ہے۔ تو جو ایسا معاملہ ہو اس کے سامنے سر تسلیم خم ہونا چاہیئے اور اسے بدل و جان تسلیم کرنا چاہیئے۔ ایک سے زائد شادیاں کرنے والے پر اعتراض یا تو کسی جاہل کی طرف سے ہو گا یا کسی ایسے شک و شبہ کرنے والے آدمی کی طرف سے ہو گا جس کے دل میں ''ارباب شہوات'' نے مختلف وسائل و اسباب کے نام سے شبہات پیدا کر دیے ہوں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس اہلِ ایمان کو پکار رہا ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء: ۴/۳)

(تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔)

رسول اللہ ﷺ اور متعدد صحابہ کرام نے ایک سے زائد شادیاں کی تھیں تو ''تعدد ازواج'' مباح اور جائز ہے۔ اور بسا اوقات تو اس آدمی کے لئے دوسری شادی کرنی مستحب ہوتی ہے جسے ایک بیوی ناکافی ہو یا وہ زیادہ کا خواہش مند ہو۔

زبان کی خطائیں

۱)غیبت اور چغلی کرنا:

غیبت کرنے اور چغلی کھانے میں تساہل کرنا اور مسلمانوں کا ان کے اخلاق و کردار یا ان کے جسمانی عیب کے حوالے سے مذاق کرتے رہنا یہ ایسی محرمات وممنوعات ہیں کہ کسی بھی مسلمان کو ان میں تساہل نہیں برتنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (الحجرات: ۱۱/۴۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم ہیں۔)

اس کے بعد پھر دوسری آیت مبارکہ میں یوں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ﴾ (الحجرات: ۱۲/۴۹)

(اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو! تم خود اس سے گھن کھاتے ہو، اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔)

تو یہ غیبت سے دور رکھنے کے لئے کتنی بڑی زبردست تاکید ہے۔

رہی بات چغل خوری کی تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان گرامی بایں الفاظ نقل فرماتے ہیں:

(لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ)[1] (چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔)

جب کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو ایسی قبروں کے پاس سے گزرے جنہیں عذاب ہو رہا

---

[1]) بخاری، کتاب الادب، باب مایکرہ من النمیمۃ (ح: ۶۰۵۶) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم النمیمۃ (ح: ۱۰۵ و اللفظ لہ)

تھا۔ تو آپ نے فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور انہیں کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا، ہاں کیوں نہیں! یہ کام (عذاب ہونے میں) بڑے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو چغلی کھایا کرتا تھا۔''[1]

چغلی کھانا حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ چغل خور وہ آدمی ہے ''جو لوگوں کی باتوں کو سن کر، کسی دوسرے سے بیان کرے جسے وہ باتیں اچھی نہ لگتی ہوں تاکہ ان میں فساد پیدا کر دے۔'' یا وہ آدمی بھی چغل خور ہے جو ایسی باتیں کرے جن سے دوتوں کے مابین فساد پیدا کر سکے۔'' ہم اللہ تعالیٰ سے اس سے بچنے کی دعاء کرتے ہیں۔

اور مسلمان کا ان کے اخلاق و کردار یا ان کے جسمانی طبعی نقائص پر مذاق اڑانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ کفر بھی ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی پناہ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (٦٥) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾
(التوبۃ: ۹/۶۵،۶۶)

(اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو'' کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذرات لنگ نہ تراشو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے)

مسلمانوں کے اخلاق، ان کے دین، اور ان کے نبی کریم ﷺ کے طریقے سے محبت کرنا انتہائی ضروری ہے۔ بلکہ یہی ''ایمان کی دلیل'' ہے اور دین سے استہزاء اور مذاق یہ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کمزوری سے ہمیں بچائے رکھے۔

۲) سب و شتم اور لعنت کرنا:

یہ سب چیزیں بھی منع ہیں۔ ایمان والوں کی صفات میں سے نہیں ہیں، جس طرح کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

(لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلاَ اللَّعَّانِ وَلاَ الْفَاحِشِ وَلاَ الْبَذِيءِ)[2]

---

[1]) بخاری، کتاب الادب، باب النمیمة من الکبائر (ح: ۶۰۵۵) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الدلیل علی نجاسة البول۔۔۔ (ح: ۲۹۲)

[2]) مسند احمد (۱/۴۰۵) ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی اللعنة (ح: ۱۹۷۷)

(مومن طعنہ باز، لعنت کرنے والا، فحش گو اور بیہودہ کلام کرنے والا نہیں ہوتا۔)

مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے فرمان پیغمبر بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

﴿لَا یَکُونُ اللَّعَّانُونَ شُفَعَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ﴾[1]

(لعنت کرنے والے قیامت کے دن سفارشی بن سکیں گے اور نہ ہی گواہ۔)

بالکل اسی طرح کسی قسم کی گالی بھی جائز نہیں ہے نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث پاک کی روشنی میں:

﴿کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ﴾[2]

(ہر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان کے لئے قابل احترام ہے۔)

بخاری اور مسلم کی دوسری روایت میں یوں بھی آتا ہے:

﴿سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ﴾[3] (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔)

سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک میں اس طرح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں یوں فرمایا:

﴿لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا﴾ (کسی کو بھی گالی مت دینا۔)

تو جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس فرمان کے بعد، میں نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی، کسی آزاد کو، نہ کسی غلام کو، نہ کسی اونٹ کو اور نہ کسی بکری کو۔[4]

۳) اپنی جان، مال اور اولاد کو بددعائیں دینا:

تو یہ بھی ممنوع اور ناجائز ہیں۔ ایسی بددعائیں کرنے والے مسلمان کو اپنی زبان پر ایسے نازیبا الفاظ نہیں لانے چاہئیں۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ

---

1) مسلم، کتاب البر والصلة، باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا (ح: ۲۵۹۸)

2) مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم، (ح: ۲۵۶۴ وتفرد بہ)

3) بخاری، کتاب الایمان، باب خوف المومن من ان یحبط عملہ وھو لایشعر (ح: ۴۸) مسلم، کتاب الایمان، باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم فسوق (ح: ۶۴)

4) ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار (ح: ۴۰۸۴)

عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

«لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى خَدَمِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ»[1]

(اپنی جانوں پر بددعاء نہ کرو، نہ اپنے بچوں کو بددعائیں دیا کرو، نہ ہی اپنے خادموں اور نہ ہی اپنے مالوں کو بددعائیں دینا، کہیں تم اللہ تعالیٰ کی اس گھڑی سے موافقت کر بیٹھو جس میں وہ تمہاری منہ سے نکلی ہوئی بات قبول کرے۔)

اور خود اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک اس طرح ہے:

﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ﴾ (یونس: ۱۱/۱۰)

(اور اگر کہیں اللہ لوگوں کے ساتھ برا معاملہ کرنے میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی وہ دنیا کی بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی مہلت عمل کبھی کی ختم کر دی گئی ہوتی" (مگر ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے۔)

۴) دنوں، مہینوں یا سالوں کو گالی دینا:

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ دونوں نے اپنی "صحیح" میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان مبارک کو اس طرح "حدیث قدسی" میں بیان کیا ہے:

«يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ»[2]

(آدم کا بیٹا زمانے کو گالی دے کر مجھے اذیت پہنچاتا ہے، حالانکہ میں خود ہی زمانہ ہوں یعنی میں ہی تو دن رات لاتا ہوں۔)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان مبارک ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:

«لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ. فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ»[3]

(تم میں سے کوئی بھی یوں ہرگز نہ کہے: مجھے زمانے پر افسوس! (اے زمانے کی نحوست!) کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی زمانہ ہے۔)

---

[1]) مسلم، کتاب الزھد باب حدیث جابر الطویل (ح: ۳۰۰۹)

[2]) بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الجاثیۃ، (ح: ۴۸۲۶) مسلم، کتاب الالفاظ من الادب، باب النھی عن سب الدھر (ح: ۲۲۴۶)

[3]) مسلم، کتاب الافاظ، باب النھی عن سب الدھر (ح: ۲۲۴۶/۴)

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی:

(وَأَنَا الدَّهْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ)

"کا مطلب یہ ہے کہ شب و روز میں جو بھی خیر شر بھلائی و برائی ہو رہی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادے اس کی تدبیر اور اس کے علم و حکمت سے ہو رہی ہے۔ اس فعل میں کوئی بھی اس کا شریک و ساجھی نہیں ہے۔ جو وہ چاہتا ہے ہو رہا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہو رہا۔ تو دونوں حالتوں میں اس کی حمد و ثنا بیان کرنی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے اس کی تعریف و ستائش ہی کرنی چاہیئے اور اپنے گناہوں سے توبہ اور انابت الی اللہ ہی اختیار کرنی چاہیئے۔"[1]

البتہ یہ بات یاد رہے کہ سالوں کی سختی یا دنوں کی نحوست کو بیان کرنا زمانے کو گالی دینا شمار نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ (یوسف: ۱۲/۴۸) (پھر سات برس بہت سخت آئیں گے۔)

﴿فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ﴾ (القمر: ۵۴/۱۹) (ایک پیہم نحوست کے دن میں۔)

کیونکہ یہ لوگوں کی نسبت سے بات ہو رہی ہے یعنی وہ سال لوگوں پر سخت ہوں گے۔ یا وہ دن ان پر منحوس ہیں اسی طرح دوسرے مفہوم وغیرہ، دن اور سال حقیقت میں ایسے نہیں ہیں کیونکہ سارا حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

۵) اللہ کی مخلوق کو گالی دینا یا لعنت کرنا:

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو گالی دینا یا لعنت کرنا جس کی شریعت میں نہ تو مذمت بیان ہوئی ہو نہ ہی اس پر لعنت کرنے کی بابت کوئی حکم ہو۔

تو یہ بھی منع ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا:

(لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا)[2] (کسی کو بھی گالی مت دینا۔)

یہ حکم عام ہے جس میں ساری مخلوقات شامل ہیں اس لئے مفہوم کو عام سمجھتے ہوئے سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر عمل کیا ہے، کہتے ہیں

---

1) فتح المجید (ص ۴۴۳) باب من سب الدھر فقد اذی اللہ۔

2) ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، (ح: ۴۰۸۴)

''اس کے بعد میں نے کسی کو بھی گالی نہیں دی۔ کسی آزاد کو نہ ہی کسی غلام کو، کسی اونٹ کو نہ ہی کسی بکری کو۔''[1]

مسند احمد میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے کہ دوران سفر ایک آدمی نے اونٹنی پر لعنت کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ''اونٹنی کا مالک کون ہے؟'' اس آدمی نے جواب دیا: ''میں ہوں جناب!'' تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

«أَخِّرْهَا فَقَدْ أُجِيبَ فِيهَا»[2]

(اب اس اونٹنی کو الگ کر دو اس کے متعلق تمہاری بد دعاء قبول ہو چکی ہے۔)

ایسا ہی ایک واقعہ امام ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے[3] اور دیگر ائمہ کرام نے بھی۔

اسی طرح مرغ[4] اور ہوا[5] کو گالی دینے سے روکا گیا ہے، تو یہ سب باتیں اس نتیجے پر دلالت کناں ہیں کہ یہی نہی عام ہے اور ہر اس چیز کے لئے ہے جس کی شرع میں نہ مذمت بیان کی گئی ہے اور نہ ہی اس پر لعنت کا حکم ہے۔

۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام رحمہم اللہ کو برا کہنا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی بکنا بالاتفاق کفر ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ان کی تعریفیں بیان فرمائی ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح: ۴۸/۲۹)

(محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔)

---

[1]) ابوداؤد، حوالہ سابق

[2]) مسند احمد (۲/۴۲۸) ولہ شاھدان فی صحیح مسلم، (۲۵۹۵، ۲۵۹۶) عن عمران بن الحصین وعن ابی برزة الاسلمی رضی اللہ عنہما۔

[3]) مسند ابی یعلی (۳/۴۵۰، ح: ۳۶۱۰)

[4]) ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الدین والبھائم (ح: ۵۱۰۱)

[5]) ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی اللعن (ح: ۴۹۰۸) ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی اللعنة (ح: ۱۹۷۸)

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح: ۱۸/۴۸)

(اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔)

اور نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

«لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيفَهُ»[1]

(میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی روح ہے' اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کی مانند سونا بھی خرچ کر دے ان (صحابہ کرام) میں سے کسی ایک کے مد (صاع کے چوتھے حصہ کو مد کہتے ہیں) یا نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔)

مد: ایک پیمانہ جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک ایک تہائی رطل ہے۔(مصباح اللغات)

تو جس کسی نے بھی صحابہ کرام کو گالی دی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بیان کردہ ان کی مدح سرائی کو رد کر دیا اور قرآن پاک کی صراحت کو جھٹلا دیا تو یہ واضح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

اسی طرح تابعین عظام کو گولیاں دینا بھی منکر و حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ کفر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ جو کہ تمام مخلوق سے شان بلند رکھنے والے اور سب سے بڑھ کر سچے ہیں ان کی شہادت کی وجہ سے وہ عہد صحابہ کے بعد "خیر القرون" ہیں جیسا کہ آپ کا رشاد گرامی موجود ہے:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»[2]

---

[1]) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ "لو کنت متخذا خلیلا (ح: ۳۶۷۳) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب تحریم سب الصحابۃ رضی اللہ عنہ (ح: ۲۵۴۰، ۲۵۴۱)

[2]) بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضائل اصحاب النبی (ح: ۳۶۵۱) مسلم کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم۔۔۔۔۔۔(ح: ۲۵۳۳)

تابعین و تبع تابعین کی فضیلت و عظمت صحیحین کی اس روایت سے بھی عیاں ہوتی ہے۔ جس کے راوی سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں میں سے ایک جماعت جہاد کرے گی۔ جہاد کرنے والے لوگ (اپنی جماعت سے) کہیں گے کہ کیا تم میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ موجود ہے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ چنانچہ وہ فتح و نصرت سے ہمکنار ہوں گے۔ پھر لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی، ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی شاگرد ہے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ چنانچہ انہیں فتح نصیب ہو گی۔ پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی ایک

(سب لوگوں سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو اس کے قریب ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہوں گے۔)

۷) علماء کرام کو گالیاں دینا اور ان کا مذاق اڑانا:

اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ انہیں گالیاں دینا بھی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ بلکہ اگر انہیں گالیاں دینے کا سبب، ان کا دین، ان کا اسلام اور ان کا دین سے مضبوط ترین تعلق ہے تو یہ سب وشتم کفر وارتداد بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اہل دوزخ کے حال سے اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں! اللہ تعالی کا فرمان مبارک ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸/۳۵)

جماعت جہاد کرے گی، ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں کا کوئی شاگرد ہے؟ وہ کہیں گے، ہاں۔ چنانچہ انہیں فتح نصیب ہو گی۔ (بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا، لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ان میں سے لشکر بھیجا جائے گا، لوگ کہیں گے کہ خیال کرو، کیا تم میں سے رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحابی ہے؟ چنانچہ صحابی موجود ہو گا تو انہیں کامیابی نصیب ہو گی۔ پھر دوسرے لشکر کو بھیجا جائے گا، لوگ کہیں گے کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کو دیکھا ہو؟ چنانچہ انہیں کامیابی نصیب ہو گی۔ پھر تیسرا لشکر بھیجا جائے گا تو کہا جائے گا کہ خیال کرو، کیا تم اپنے لشکر میں کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہو جس نے ان لوگوں کو دیکھا ہو، جنہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہو؟ پھر چوتھا لشکر بھیجا جائے گا پس کہا جائے گا کہ خیال کرو کیا تم اپنے (رفقاء) میں سے کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہو جس نے ان لوگوں کو دیکھا ہو، جنہوں نے ایسے شخص کو دیکھا ہو جس نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے؟ چنانچہ ایسا شخص پایا جائے گا (اور) اس سبب سے انہیں فتح نصیب ہو گی۔

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب ا (ح: ۳۶۴۹) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب الصحابۃ ثم الذین یلونھم۔۔۔(ح: ۲۵۳۲)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان (بعد میں آنے والے) لوگوں کو حکم تو اس بات کا ہوا تھا کہ یہ ان (اصحاب النبی ﷺ) کے لئے بخشش اور مغفرت کی دعاء کریں لیکن انہوں نے الٹا ان کو سب وشتم کرنا اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے سورہ حشر کی آیت (۱۰) کی تلاوت کی۔

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾

(اور جو بعد میں آنے والے ہیں کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمانداروں کے لئے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ رکھ بے شک تو شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص۱۳۲۹ بحوالہ ابن ابی حاتم ورواہ مسلم فی صحیحہ) کتاب التفسیر ح۳۰۲۲/۱۵ بدون ذکر الایۃ) (ن ک)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔)

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (آل عمران: ۱۸/۳)

(اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے اس زبردست حکیم کے سوافی الواقع کوئی الٰہ نہیں ہے۔)

تو جن ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور حق و صداقت کی شہادت دینے میں اپنی ذات اور اپنے فرشتوں کے ہمراہ اکٹھا بیان کیا ہے ان کا اکرام کرنا اور ان کے دینی مرتبہ کی وجہ سے ان کا احترام کرنا واجب ہے۔ ان کو گالیاں دینے والا ان کے مقام و مرتبہ کو کم کرنے والا ہے۔ اگر یہی سب و شتم ان کے دین اور احکام الٰہیہ بتانے کی وجہ سے ہے اور گالیاں دینے والا اگر یہ کام دانستہ کر رہا ہے تو یہ واضح ارتداد ہے ان کے دینی مرتبہ کی وجہ سے ان سے مذاق واستہزاء کرنا یہ کفر ہوگا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (۶۵) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾
(التوبۃ: ۶۵/۹، ۶۶)

(اگر ان سے پوچھو، کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو: "کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذرات لنگ (حیلے بہانے) نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ لِعالِمِنا حَقَّهُ»

(وہ ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے بوڑھوں کی عزت و تکریم نہ کی، نہ چھوٹے بچوں پر رحم و پیار کیا اور نہ ہی عالم دین کے حق کو پہچانا۔)

ایک روایت میں ہے:

«لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي» (وہ میری امت سے نہیں۔)[1]

وہ علمائے حق جن کے دینی مرتبہ کی وضاحت قرآن کریم کر رہا ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ امت پر ان کے حق کی اہمیت کو واضح فرما رہے ہیں۔ ان کا حق یہ ہے کہ ان کی تکریم کی جائے، توہین و ہتک آمیز رویہ نہ اپنایا جائے۔ ان کی بات کو سنا اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔[2]

---

1) صحیح الجامع (۵۴۴۳) واللفظ لہ، مستدرک حاکم (۱/۱۲۲) مسند احمد (۵/۳۲۳)

2) علم اور صاحب علم کے متعلق مزید معلومات کے لئے علامہ ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ جس کا اختصار و ترجمہ بنام "العلم والعلماء" ہے کا مطالعہ کریں۔ (ک)

محفلوں اور پروگراموں کی خطائیں

(۱)تا(۴)دعوتِ ولیمہ میں فضولیات سے پرہیز نہ کرنا:

دعوت ولیمہ میں اسراف کرنا، ماکولات کو ناپاک جگہوں میں پھینکنا اور دعوت ولیمہ و دیگر دعوتوں میں فخر و غرور کرنا گانے بجانے اور مختلف آلات موسیقی کا استعمال کرنا۔

ناجائز اور حرام قسم کے پروگراموں اور محفلوں کا انعقاد کرنا مثلاً عید میلاد، عید الام،(ماں کے نام پر عید) بچوں کی سالگرہ اور ''عید پدر'' وغیرہ اسی طرح ماتمی مجالس وغیرہ۔ محافل میں عورتوں مردوں کا اختلاط اور عورتوں کا مردوں کے سامنے اپنے محاسن کا اظہار کرنا۔

یہ سب خطائیں اور منکرات ہیں ان پر تفصیلی کلام گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اور ان کے دلائل کا مختلف مقامات میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن مذکورہ کام پوری شد و مد سے رواج پذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام برائیون اور خرابیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ انہیں دینی بصیرت عطا فرمائے، مزید انہیں پکی سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۵)سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا:

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک کی روشنی میں یہ بھی جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے:

﴿وَلاَ تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلاَ تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا﴾[1]

(سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پینا اور نہ ہی سونے چاندی کی پلیٹوں میں کھانا ہی کھانا۔)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یوں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارًا مِنْ جَهَنَّمَ﴾[2]

---

[1]) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل فی اناء فضۃ،(ح: ۵۴۲۶) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضۃ(ح: ۲۰۶۷)

[2]) بخاری، کتاب الاشربۃ، باب آنیۃ الفضۃ(ح: ۵۶۳۴)

(جس نے بھی سونے یا چاندی کے برتن میں پیا یقیناً وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ گھونٹ گھونٹ کر کے ڈال رہا ہے۔)

ایسی سب احادیث سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی حرمت کو بیان کر رہی ہیں، بالکل اسی طرح وہ برتن بھی استعمال کرنے حرام ہیں جن میں کسی ایک (سونے یا چاندی) کا پانی پھیر دیا گیا ہو، اور برتنوں میں وہ سب برتن شامل ہیں جو استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً پلیٹ، چمچہ، گلاس وغیرہ اور ہر وہ چیز جس کا کھانا کھانے یا پانی پینے میں کسی طرح بھی استعمال ہوتا ہے۔

۶) اسمِ الٰہی والے کاغذات بطور دستر خوان استعمال کرنا:

ایسے اوراق وغیرہ جن میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا نام ہو تو کھانے پینے کے لئے بطور دستر خوان بچھانا۔

یہ بھی عام پھیلی ہوئی برائیوں میں سے ایک ہے۔ جن کی عوام الناس کچھ بھی پرواہ نہیں کر رہے۔ حالانکہ ایک ایمان دار کو ''شعائر اللہ'' اور حرمات الٰہیہ'' کی تعظیم کرنے والا ہونا چاہیئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج: ۳۲/۲۲)

(اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔)

اور دوسری مقام پر یوں فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ (الحج: ۳۰/۲۲)

(اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لئے بہتر ہے۔)

ایسے تمام اخبارات ورسائل جن پر آیات قرآنیہ، اسماء الٰہیہ وغیرہ تحریر ہوں ان کا احترام کرنا ان کی تعظیم بجالانی اور انہیں'' پیروں تلے آنے سے بچانا۔ '' شرعی مطلوب مقصود ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے اسماء مبارکہ کی تعظیم وتکریم ہو سکے۔ اسی لئے ایسے تمام اوراق جن پر ایسی کوئی چیز موجود ہو انہیں دستر خوان بنا کر بچھانے سے ان کے مقام ومرتبہ کو گرانا کسی صورت میں جائز اور مناسب نہیں ہوگا۔

”لباس“ کی خطائیں

(مردوں کے لباس کا بیان)

۱) کسی کپڑے یا گاؤن یا شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے تک لٹکانا:

یہ منع ہے اور یہ عوام الناس کی اکثریت میں اس طرح پائی جاتی ہے کہ نہ کسی کو گناہ کا خوف ہے اور نہ آئندہ اس سے بچنے کی فکر ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی اس طرح ہے:

﴿مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَفِي النَّارِ﴾[1]

(تہبند جتنا ٹخنوں سے نیچے جائے گا اتنا حصہ دوزخ میں جائے گا۔)

”یہ آگ کی دھمکی اور وعید تو اس صورت میں ہے جب یہ تکبر اور غرور کی نیت سے نہ ہو([۲]) اور اگر یہی کپڑے کو لٹکانا اور کپڑے کو گھسیٹنا از راہ تکبر ہو گا تو یہ اس سے بڑھ کر جرم ہو گا۔ اس لئے اس کی یہ سزا بیان ہوئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے آدمی کی طرف دیکھے گا بھی نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں:

---

[1]) بخاری، کتاب الباس، باب ما اسفل الکعبین فھو فی النار (ح: ۵۷۸۷)

[2]) بعض لوگ یہ سمجھتے اور اشکال پیش کرتے ہیں کہ کپڑے کو ٹخنوں سے لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے جب تکبر اور غرور کی نیت سے ہو۔ اگر غرور و تکبر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ ان کی غلط فہمی یا عدم واقفیت کی بنا پر ہے۔ حالانکہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے ہونا ہی بذات خود تکبر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”ایاك واسبال الازار فانها من المخيلة وان الله لايحب المخيلة“ ((ٹخنوں سے نیچے) تہبند لٹکانے سے بچتے رہنا کیونکہ ایسا کرنا غرور و تکبر ہے اور اللہ غرور و تکبر کو پسند نہیں کرتا)۔ (ابوداؤد، کتاب اللباس باب ما جاء فی اسبال الازار (ح: ۴۰۸۴)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے ہونا ہی تکبر کی علامت ہے۔ اللہ ہمیں اس گناہ کبیرہ سے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین (ک)

﴿لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ﴾[1]

(جس نے تکبر وغرور کی نیت سے اپنے کپڑے کو زمین پر گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔)

جبکہ مسلم شریف میں یہ لفظ آتے ہیں:

﴿مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ لَا يُرِيدُ بِذٰلِكَ إِلَّا الْمَخِيلَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[2]

(جس کسی نے اپنے تہبند (چادر) شلوار' پینٹ' پتلون وغیرہ) کو نیچے گھسیٹا' صرف تکبر کی نیت سے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے (متکبر) کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔)

صرف کپڑے کو لٹکانا ہی ناجائز ہوا تو ازراہ تکبر تو اس سے بھی عظیم گناہ ہوا اور بڑی سزا کا مستوجب بنا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سفیان بن ابی سہل رضی اللہ عنہ کو پہلو سے پکڑے ہوئے دیکھا تو آپ یہ فرما رہے تھے:

﴿يَا سُفْيَانُ لَا تُسْبِلْ إِزَارَكَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْبِلِينَ﴾[3]

(اے سفیان! اپنی تہبند کو نیچے مت لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے ازار بند لٹکانے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔)

۲) انتہائی تنگ یا انتہائی باریک کپڑے پہننا:

اگر وہ کپڑے شرمگاہ کو نمایاں کریں یا شرمگاہ کے حجم کو عیاں کریں یا اسی طرح دوسری قباحتیں پائی جائیں تو ایسے کپڑوں کو چھوڑ دینا واجب ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا﴾ (الاعراف: ۲۶/۷)

(اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو۔)

---

[1]) بخاری، کتاب للباس، باب قول اللہ تعالیٰ (قل من حرم زینۃ اللہ۔۔۔(ح: ۵۷۸۳، ۵۷۹۱) مسلم کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب خیلاء (ح: ۲۰۸۵)

[2]) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب خیلاء (ح: ۲۰۸۵/۴۵)

[3]) مسند احمد (۴/۲۵۳) ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب موضع الازار الی این ھو (ح: ۳۵۷۴) ابن حبان (موارد: ۱۴۴۹) اسے ابن ماجہ رحمہ اللہ اور ابن حبان نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ بھی ابن حبان کے ہیں۔ یہ حدیث حسن درجے کی ہے اس کے مزید شواہد بھی موجود ہیں۔

لیکن اگر وہ کپڑے نہ تو شرمگاہ کو نمایاں کرنے والے ہوں (یعنی ان کے اندر سے جسم کی جھلک نظر نہ آرہی ہو) اور نہ ہی اس کے حجم کو عیاں کرنے والے ہوں تو انکے باریک ہونے کے باوجود ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ البتہ ان میں کفار کے مخصوص لباس یا پھر عورتوں کے لباس سے مشابہت ضرور ہوتی ہے۔ جس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۳) عورتوں کے لباس سے ملتے جلتے کپڑے پہننا:

تو یہ بھی حرام ہے کیوں کہ:

(لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ)[1]

(رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

بعض علماء کرام نے یوں لکھا ہے ''کہ اس مشابہت سے مراد لباس پہننے میں مشابہت اختیار کرنا ہے اور کچھ عادات واطوار اور حرکات و سکنات وغیرہ اختیار کرنا ہے نیکی کے کاموں میں مشابہت مراد نہیں ہے۔''

امام احمد اور امام ابوداؤد وغیرہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت بیان کی ہے کہتے ہیں:

(لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ)[2]

(رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی پر لعنت فرمائی ہے جو کسی عورت کی مانند کپڑے پہنتا ہے اور ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مرد کی مانند کپڑے پہنتی ہے۔)

۴) شہرت کی خاطر لباس پہننا:

مسلمانوں کے عام معروف کپڑوں سے ہٹ کر کپڑے پہننا یا ایسے قیمتی اور قابل فخر لباس زیب تن کرنا جن کی وجہ سے پہننے والے کی طرف اشارے کیے جائیں اور وہ صرف کپڑے پہننے کی بنا پر شہرت حاصل کرنا چاہے وغیر ذلک۔ اسی طرح میلے کچیلے کپڑے یا پیوند لگے کپڑے پہن کر شہرت حاصل کرنے والا جبکہ وہ دوسرے کپڑے پہننے کی طاقت و قدرت بھی رکھتا ہو۔ یہ سب ممنوع انداز ہیں۔ جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ، امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ

---

[1]) بخاری، کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء والمتشبھات بالرجال (ح: ۸۵۵۸)
[2]) مسند احمد (۲/۳۲۵) ابوداؤد کتاب اللباس، باب فی لباس النساء (ح: ۴۰۹۸)

نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ»[1]

(جس نے شہرت کی خاطر لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔)

''یہ حدیث پاک شہرت کا لباس پہننے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے یہ حدیث پاک صرف قیمتی اور اعلیٰ ترین کپڑے پہننے سے روکنے کے لئے ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث پاک ان تمام کپڑوں کو بھی شامل ہے جو کوئی فقیروں میں سے لوگوں کے ملبوسات کے برخلاف کپڑے پہنے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کے لباس سے تعجب کر کے اس کے مرید و معتقد بننے لگیں۔ ابن رسلان نے بھی یوں ہی کہا ہے۔''

لوگوں میں طلب شہرت کے لئے کپڑے پہننے میں خواہ اعلیٰ ترین ہوں یا گھٹیا ترین کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح لوگوں کے موافق یا مخالف کپڑے پہننے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ (یعنی یہ غلط طریقے ہیں) کیونکہ اس حدیث پاک میں موجود حرمت کا حکم شہرت کے حصول کی وجہ سے ہے۔[2]

۵) بے ستر لباس پہننا:

ایسے کپڑے پہننے جو قابل ستر حصے کو بھی چھپا نہ سکتے ہوں جیسے کہ ورزش کے لئے کپڑے پہننا جن سے رانیں وغیرہ ظاہر ہوتی ہیں یا ایسے کپڑے پہن کر لوگوں کے سامنے آنا۔

مرد کے لئے قابل ستر حصہ ناف تا گھٹنے ہے۔ لہٰذا رانیں اس میں شامل ہوئیں۔ ایک مسلمان کو اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے علاوہ اپنے جسم کے اتنے حصے کو چھپا کر رکھنے کا حکم ہے۔ سیدنا بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے خود دریافت کیا، یا رسول اللہ! (ﷺ) اپنی شرمگاہوں سے کس قدر ہم ظاہر کر سکتے ہیں اور کس قدر ہمیں احتیاط برتنی چاہیئے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ» (اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو مگر اپنی بیوی یا اپنی لونڈی سے۔)

میں نے پھر یہ بات پوچھی، اگر قوم کے افراد ایک دوسرے کے بالکل قریب قریب ہوں؟ تو آپ نے یوں جواب ارشاد فرمایا:

---

[1]) مسند احمد (۲/۱۳۹) ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ (ح: ۴۰۲۹) ابن ماجہ کتاب اللباس، باب من لبس شھرۃ من الثیاب (ح: ۳۶۰۷)

[2]) نیل الاوطار (۱/۲/ ۱۲۶)

﴿إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا﴾[1]

(پھر بھی اس بات کی کوشش کر کہ کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکے۔)

دونوں رانیں بھی قابل ستر حصہ میں داخل اور شامل ہیں رسول اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں:

﴿مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ عَوْرَةٌ﴾[2] (ناف اور گھٹنے کے درمیان قابل ستر حصہ ہے۔)

نبی اکرم ﷺ سے یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ﴾[3] (ران بھی شرمگاہ میں داخل ہے۔)

بالکل اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے اس کے چھپانے کا حکم بھی صحیح ثابت ہے۔[4]

۶) مساجد میں آتے ہوئے زیب وزینت حاصل کرنے میں سستی دکھانا:

تو یہ عمل اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے خلاف ورزی ہے۔

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱/۷)

(اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد میں جاتے وقت (یا ہر نماز کے وقت) اپنا بناؤ کر لیا کرو۔)

نماز دراصل اللہ کے حضور پیشی (حاضری) ہے، تو یہ حق ہے کہ اس کے لئے زینت اختیار کی جائے، اگر ممکن ہو تو آدمی خوشبو استعمال کرے اور بدبودار چیزیں چھوڑے، یقیناً یہ عمل، مستحب زینت کے اپنانے میں سے ہوگا۔

---

1) مسند احمد (۳/۵-۴) ابوداؤد کتاب الحمام باب فی التعری (ح: ۴۰۱۷) ترمذی، کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ (ح: ۲۷۹۴) ابن ماجہ کتاب الستر عند الجماعۃ (۱۹۲۰)

2) ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب متی یومر الغلام بالصلاۃ (ح: ۴۹۶، ۴۱۱۴) بلفظ مختلف مسند احمد (۱۸۷/۲)

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

مستدرک حاکم (۵۶۷/۳) عن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ واللفظ لہ وحسنہ الالبانی فی صحیح الجامع۔

3) ابوداؤد، کتاب الحمام، باب النھی عن التعری (ح: ۴۰۱۴) ترمذی کتاب الادب، باب ماجاء ان الفخذ عورۃ (ح: ۲۷۹۵)

4) مسند احمد (۴۷۸/۳، ۴۷۹) ترمذی کتاب الادب، باب ماجاء ان الفخذ عورۃ (ح: ۲۷۹۸)

۷) تصاویر والا لباس پہننا:

ایسے کپڑے پہننا جن میں جانداروں کی تصاویر ہوں، خصوصاً غیر مسلم اداکاروں یا کھلاڑیوں یا ان کے حکمرانوں یا ان کے شہرت یافتہ لوگوں کی تصاویر ہوں، تو ہر ایسا کپڑا جس میں کسی انسانی یا حیوان یا کسی پرندے کی تصویر ہو پہننا حرام ہے۔

مذکورہ تمام باتیں ان بے شمار دلائل کی روشنی میں حرام ہیں جو دلائل، تصویر کی حرمت اور تصاویر کو گھروں میں لٹکانے یا کپڑوں میں ہونے کے سلسلے میں موجود ہیں۔ جس طرح کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک تصاویر والا پردہ لٹکایا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے گھر میں تشریف لاتے ہیں اتار دیا تھا۔ جس کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

﴿فَقَطَعْتُهُ وِسَادَتَيْنِ فَكَانَ يَرْتَفِقُ عَلَيْهِمَا﴾[1]

(میں نے اسے کاٹ کر دو تکیے بنا لیے جن پر رسول اللہ ﷺ کہنی رکھ کر ٹیک لگایا کرتے تھے۔)

اہل علم نے یوں کہا ہے کہ: ''ہر عورت پر اس کپڑے کو پہننا حرام ہے جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو، اسی طرح اسے لٹکانا یا دیواروں پر آویزاں کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی تصویر کسی پردے میں یا کسی چھت میں یا کسی دیوار میں کسی چارپائی وغیرہ میں بنانا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

اور ان کپڑوں کو پہننا جن میں غیر مسلموں کی تصاویر ہوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کفار سے حد درجہ کی دوستی اور دلی تعلق ہے، تو یہ بات بہت ہی افسوس ناک ہے کیونکہ کافر سے بغض رکھا جاتا ہے۔ اس کے کفر کی بنا پر اسے ناپسند سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مانوس نہیں ہوا جاتا، اس کی تعظیم نہیں کی جاتی، اس سے محبت نہیں کی جاتی۔ واللہ المستعان۔

۸) مردوں کا سونا استعمال کرنا:

مردوں کا سونے کی انگوٹھی پہننا، خواہ زینت کی نیت سے ہو خواہ شادی وغیرہ کے بہانے سے ہو، مردوں کے لئے سونا پہننا حلال نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کی روشنی میں:

﴿أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا﴾[1]

---

[1]) بخاری، کتاب المظالم، باب ھل تکسر الدنان التی فیھا الخمر (ح: ۲۴۷۹) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان (ح: ۲۱۰۷/۹۶)

(سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال رکھا گیا ہے' اور امت کے مردوں کے لئے حرام کیا گیا ہے۔)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ''کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سے روک دیا ہے۔[2]

''صحیح مسلم'' میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح بات آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی ایک انگوٹھی دیکھی تو اسے رسول اللہ ﷺ نے اتار کر پھینک دیا اور یوں فرمایا:

﴿يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ﴾[3]

(کیا تم میں سے کوئی آگ کے انگارے کی طرف قصد کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔)

تو یہ حدیث مبارکہ تمام اغراض و مقاصد کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننے کو منع کرنے میں عام حکم رکھتی ہے۔ اس انگوٹھی کو پہننا کسی صورت میں مباح اور جائز نہیں ہوگا۔ خوبصورتی کے لئے اور نہ ہی منگنی اور شادی کے لئے اور نہ ہی ہدیہ دینے والے کو خوش کرنے کے لئے۔

ب۔ عورتوں کے لباس میں خطائیں

۱) انتہائی چست یا باریک لباس پہننا:

انتہائی تنگ یا انتہائی باریک اور اجنبی مردوں کی نظروں کو کھینچنے والے کپڑے پہننا۔ یہ بھی شرعی محرمات میں سے ہے۔ کسی بھی عورت کے لئے حلال اور جائز نہیں ہے کہ اجنبی مردوں کے پاس ایسا تنگ لباس پہنے جو اس کے بدن کے جوڑ جوڑ اور اعضاء کے حجم کو واضح دکھائے اور نہ ہی ایسے باریک کپڑے ہی پہنے جو اس کی جلد کی رنگت کو بھی نہ چھپا سکیں۔ اسی طرح وہ کپڑے پہننا بھی حلال نہیں ہے۔ جن کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں اس کی جانب اٹھیں اور پھر اٹھی ہی رہ جائیں۔ دور حاضر میں مسلمان عورتوں اور ان کی بچیوں کی اکثریت ان گناہوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ بلکہ اگر یہ توبہ واستغفار نہ کریں گی تو دوزخ کے عذاب سے بھی دوچار ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

---

[1]) مسند احمد (۴/۳۹۲) ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الحریر والذھب للرجال (ح: ۱۷۲۰) نسائی کتاب الزینۃ، باب تحریر الذھب علی الرجال (ح: ۵۱۵۱)

[2]) بخاری، کتاب اللباس، باب خواتیم الذھب (ح: ۵۸۶۳) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ (ح: ۲۰۶۶)

[3]) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال (ح: ۲۰۹۰)

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ ﴾ (النور: ۳۱/۲۴)
(اور وہ اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے سامنے۔۔۔۔۔)

اور اللہ تعالیٰ مزید یہ بھی فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ﴾ (النور: ۳۱/۲۴)
(وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔)

تو جب سامان زینت یعنی پازیب وغیرہ کی آواز کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے تو نظر آنے والی زینت وزیبائش کو ظاہر کرنا کس طرح روا اور جائز ہو سکتا ہے اور پھر وہ بھی ایسی کہ جس سے عورت کے پہلو اس کے سینے اور پچھلے حصے کے اعضاء نمایاں نظر آتے ہوں یا پھر ایسے کہ اس کے بازو، پنڈلی اور چہرہ وغیرہ بھی ننگا ہو اور دعوت دیدار دے رہا ہوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ، وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"دو جماعتیں دوزخ والوں کی ہیں جن کو میں نے ابھی نہیں دیکھا۔"

۱۔ ایک ایسی جماعت جن کے ہاتھوں میں بیلوں کی دموں کی طرح لمبے لمبے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہوں گے۔
۲۔ دوسری ان عورتوں کی جماعت جو کپڑے پہننے والی ہوں گی لیکن پھر بھی ننگی ہی ہوں گی۔ خود مائل ہونے والیاں اور دوسروں کو مائل کرنے والیاں جن کے سر بختی اونٹوں کی طرح ایک طرف کو جھکی ہوئی کوہان کی مانند ہوں گے جو جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی نہ ہی اس کی خوشبو کو ہی پا سکیں گی۔

حالانکہ اس کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے پائی جا سکے گی۔[1]

"امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک موٹا سا قبطی کپڑا پہننے کو عطا فرمایا جسے میں نے اپنی بیوی کو پہنا دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تجھے کیا ہوا؟ وہ قبطی کپڑا کیوں نہیں پہنتا؟ تو میں نے جواب دیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں نے تو وہ اپنی بیوی کو پہننے کے لئے دے دیا ہے۔ تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسے یہ کہو کہ اس کے نیچے بنیان، شلوکا، شمیز وغیرہ) پہنا کرے کیوں کہ

---

[1]) مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات العاریات (ح: ۲۱۲۸)

مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے ''جسمانی ہڈیوں'' کا حجم نظر آتا ہوگا۔''[۱]

۲)نیم عریاں لباس پہننا:

ایسے اوپن کپڑے پہننا جن سے پنڈلیاں اور پاؤں بھی نہ ڈھانپے جائیں یا ایسے کپڑے پہننا جو جسمانی محاسن کو غیر محرم مردوں کے سامنے نمایاں کرنے والے ہوں۔

عورت کے لئے اجنبی غیر محرم مردوں کے سامنے ایسے کپڑے پہننا بھی حلال اور جائز نہیں ہے وہ اجنبی مرد خواہ گھر کے اندر ہوں یا گھر سے باہر، بلکہ اس عورت کو دین و تقویٰ کا دامن تھامے رہنا چاہیئے اور ایسے اوپن لباس پہننے سے دور رہنا چاہیے تاکہ وہ گناہوں سے بچی رہے بلکہ اسے ہدایت، بھلائی اور پاک دامنی کی دعوت دینے والی بن کر رہنا چاہیئے۔ اور سابقہ مسئلہ میں اس کے دلائل ابھی بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان بچیوں کو کفار کی شر اور ان سے مشابہت اختیار کرنے سے بچائے رکھے۔ اسی طرح ہمیں منافقین کے مکر وفریب سے دور رکھے اور ان کی غلط راہوں سے محفوظ فرمائے۔

۳)بے ستر لباس پہن کر غیروں کے ساتھ تنہا ہونا:

چھوٹی آستینوں والے لباس پہننا جن سے بازو نظر آتے ہوں اور پھر ایسی قمیضوں کے ساتھ بازاروں اور گاڑیوں میں مردوں کے سامنے گھومنا پھرنا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کی قبل ازیں وضاحت بیان کر دی ہے۔

«الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ»[2]

(عورت کا سارا وجود ہی قابل ستر ہے، جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان ٹکٹکی لگا کر اسے دیکھنے لگتا ہے۔)

یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ''استشرفھا'' کا معنی یہ ہے کہ وہ اشارے کرتا ہے اور لوگوں کی آنکھوں کو ایسے دیکھنے کی طرف متنبہ کرتا ہے تاکہ فتنہ وفساد برپا کر دے۔ اور اس پر تفصیلی دلائل کا تذکرہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

---

[1]) مسند احمد (۵/۲۰۵)

[2]) ترمذی، کتاب الرضاع، باب استشراف الشیطان المراۃ اذا خرجت (ح: ۱۱۷۳)

۴) مردوں کے مشابہ لباس پہننا:

ایسے کپڑے پہننا جن کی وضع قطع مردوں کے لباس سے مشابہ ہو۔

یہ بھی منع اور ناجائز ہے کیونکہ عورت کے لئے خاص لباس ہے جس سے وہ ممتاز اور نمایاں ہوتی ہے اور مرد کے لئے خاص لباس ہے جو اسے عورتوں سے ممتاز بناتا ہے اس لئے عورت کو مردوں سے ملتے جلتے لباس پہننا ان جیسی شکل وصورت بنانا اور ان جیسی چال ڈھال بنانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسوں پر لعنت فرمائی ہے:

﴿لَعَنَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِسَاءِ بِالرِّجَالِ﴾[1]

(مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

امام احمد اور امام ابوداؤد وغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ان الفاظ سے ذکر کیا ہے:

﴿لَعَنَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لُبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لُبْسَةَ الرَّجُلِ﴾[2]

(رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی مانند لباس پہننے والے آدمی پر لعنت فرمائی ہے اور مردوں کی مانند لباس پہننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔)

۵) سر پر وِگ پہننا:

سر پر ''وگ'' پہننا کیونکہ یہ بھی ''بال ملانے'' کے حکم میں ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہتے ہیں:

﴿لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ﴾[3]

(نبی اکرم ﷺ نے بال (مصنوعی) لگانے والی اور لگوانے والی، اور گودنی والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

---

[1]) بخاری، کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء (ح: ۵۸۸۵)

[2]) مسند احمد (۲/۳۲۵) ابوداؤد، کتاب اللباس باب فی لبس النساء (ح: ۴۰۹۸) اس حدیث پاک کی سند صحیح مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

[3]) بخاری، کتاب اللباس، باب الموصولہ، (ح: ۵۹۴۰) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلۃ والمستوصلۃ (ح: ۲۱۲۴)

امام بخاری نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت بیان کی ہے فرماتی ہیں:

''ایک خاتون نے نبی اکرم ﷺ سے یوں پوچھا: اے اللہ کے رسول! لڑکی کو چیچک نکلی تو اس کے بال اتر گئے ہیں اور میں نے اس کی شادی کر دی ہے کیا میں اس کے بالون میں مصنوعی بال لگا سکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے یہ جواب دیا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُوْلَةَ»[1]

(مصنوعی بال لگانے والی اور جس کے لگائے جارہے ہیں دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔)

امام بخاری اور امام مسلم نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ انہوں نے ۔۔۔۔۔ منبر پر کھڑے ۔۔۔۔ ایک پہرے دار کے ہاتھ سے بالوں کا ایک گچھا سا پکڑا اور یوں فرمانے لگے:

تمہارے علماء کرام کہاں ہیں؟

میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ اس طرح کے بالوں سے منع فرماتے تھے اور یوں فرمایا کرتے تھے:

«إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْإِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَ هٰذِهِ نِسَآؤُهُمْ»[2]

(بنی اسرائیل اس وقت تباہ و برباد ہوئے جب ان کی خواتین نے ایسی چیزیں استعمال کرنا شروع کر دی تھیں۔)

اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ''وگ'' استعمال کرنی بالکل منع اور ناجائز ہے۔

۶) وضوء کے وقت نیل پالش لگائے رکھنا:

''نیل پالش'' استعمال کرنی اور ہر ایسی چیز استعمال کرنی جو وضوء کے وقت پانی کے لئے جسم تک پہنچنے میں رکاوٹ بنے۔

وضوء کرنے والے پر فرض ہے کہ اپنے تمام حصوں پر پانی پہنچائے اور اس میں اس کے ناخن بھی داخل و شامل ہیں۔ اور نیل پالش لگانے کے بعد پانی ہاتھ کے تمام اجزاء تک پہنچانا ناممکن ہے تو اس طرح وضوء والا فریضہ مکمل نہیں ہو پاتا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک تو یہ ہے۔

---

[1]) بخاری، کتاب اللباس، باب الموصلہ (ح: ۵۹۴۱) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلۃ والمستوصلۃ (ح: ۲۱۲۲)

[2]) بخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر (ح: ۵۹۳۲) مسلم کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلۃ والمستوصلۃ (ح: ۲۱۲۷)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ: ۶/۵)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہیئے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔)

توجب وضوء ہی پورا نہیں ہوگا تو نماز بھی صحیح اور درست نہ ہوگی، اور کون سی عورت پسند کرے گی کہ نماز بھی پڑھے لیکن قبول نہ ہو۔ توجو خاتون ایسی چیز استعمال کرتی ہو اس پر وضوء کرتے ہوئے اسے زائل اور ختم کرنا واجب ہوگا۔

۷) مصنوعی ناخن لگانا یا ہاتھ پاؤں کے ناخنوں کو لمبا کرنا:

اس میں فطرت کی سنتوں کی مخالفت ہوتی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ان کا بیان آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ — اَلِاسْتِحْدَادُ، وَالْخِتَانُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ وَنَتْفُ الإِبِطِ، وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ.»[1]

(پانچ کام فطرت سے تعلق رکھتے ہیں: زیر ناف بال صاف کرنا، ختنہ کروانا مونچھوں کو کاٹنا، بغل کے بال اکھاڑنا اور ناخنوں کو کاٹنا۔)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت بیان کی ہے، کہتے ہیں:

«وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الأَظْفَارِ وَنَتْفِ الإِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لاَ نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»[2]

(ہمارے لئے مونچھیں کاٹنے، ناخن تراشنے، بغلوں کے بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال صاف کرنے میں وقت مقرر کر دیا گیا ہے، ہم چالیس راتوں سے زیادہ نہ ہونے دیں۔)

مذکورہ باتوں میں مرد کی طرح عورت بھی داخل ہے۔

---

[1]) بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار (ح: ۵۸۹۱) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ (ح: ۲۵۷) باختلاف یسیر

[2]) مسلم، کتاب السھارۃ، باب خصال الفطرۃ، (ح: ۲۵۸)

غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنا

۱)چہرے کی وضع قطع میں کفار سے مشابہت کرنا:

مردوں کا غیر مسلموں سے داڑھی منڈوانے اور مونچھیں بڑھانے میں مشابہت اختیار کرنا۔

نبی اکرم ﷺ نے مجوسیوں اور مشرکوں کی مخالفت کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے، آپ ﷺ نے داڑھیوں کو معاف کرنے اور مونچھوں کو مبالغہ سے کترانے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمان جاری کیا ہے:

(خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللُّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ)[1]

(تم مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔)

امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

(جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ)[2]

(تم مونچھوں کو کتراؤ، اور داڑھیوں کو بڑھاؤ، آتش پرستوں (مجوسیوں) کی مخالفت کرو۔)

علمائے لغت کہتے ہیں:

"داڑھی، ٹھوڑی اور رخساروں کے جبڑوں پر اگنے والے بالوں کا نام ہے۔"

۲)مردوں کا انگریزی لباس پہن کر غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنا:

یہ بھی منع ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے جب سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو دو زرد رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا تو یوں فرمایا تھا:

---

[1]) بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار (ح: ۵۸۹۲)

[2]) مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ، (ح: ۲۶۰)

﴿إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا﴾ [1] (یہ کپڑے کفار کے لباس میں سے ہیں انہیں مت پہنو۔)

امام احمد نے حسن سند سے نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

﴿خَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ﴾

(تم اہل کتاب (یہود و نصاری) کی مخالفت کیا کرو)

تو ہم نے عرض کی ﴿يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُونَ وَلاَ يَأْتَزِرُونَ﴾

(یارسول اللہ! (ﷺ) اہل کتاب تو شلواریں اور پائجامے پہنتے ہیں، وہ تہبند اور چادریں نہیں باندھتے) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿تَسَرْوَلُوا وَائْتَزِرُوا وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ [2]

(تم شلواریں بھی پہنو اور چادریں بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔)

تو ہر ایسا لباس جو کفار سے مخصوص ہو جائے مسلمان اسے نہ پہنے۔

۳) تہواروں میں غیر مسلموں کی مشابہت اپنانا:

غیر مسلم جن تہواروں کو مناتے ہیں ان کے منانے میں مشابہت اختیار کرنا یا ان کے ساتھ شمولیت کرنا۔

تو یہ بھی حرام ہے کسی کے لئے بھی جائز اور حلال نہیں ہے کہ عیسائیوں کی کسی عید یا کسی تہوار کو منائے یا ان کے منانے میں شریک ہو۔ بعض مسلمان مشترک کمپنیوں اور پیداواری اداروں میں کارکنوں کے لئے ایسے تہواروں کا اہتمام کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اپنے گھروں میں بھی ایسا کر لیتے ہیں۔ تو یہ ان غیر مسلموں کے شرک و کفر پر مبنی دین کو اور دینی شعائر کو اپنے ہاں پختہ کرنا اور انہیں رواج دینا ہے تو جو کسی سے مشابہت اختیار کر لیتا ہے وہ انہیں میں سے ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾ [1] (جس نے کسی بھی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا۔)

---

[1]) مسلم، کتاب اللباس، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر (ح: ۲۰۷۷)

[2]) مسند احمد (۲/۵۰) ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة (ح: ۴۰۳۱)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یوں لکھا ہے:

"اس حدیث پاک کا کم ترین تقاضا یہ ہے کہ ان سے مشابہت اختیار کرنی حرام ہے اگرچہ اس حدیث پاک کا ظہاری معنی یہی ہے کہ جو آدمی ان سے مشابہت اختیار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔"[1]

اہل کتاب اور مشرکین کے تہواروں میں شرکت جائز اور حلال نہیں ہے خواہ وہ معمولی سے تحفہ یا چند الفاظ سے "مبارک باد" کہنے کی صورت ہی میں ہو، یہ شرک کی جڑ کاٹنے کے لئے اور اہل ضلالت پر اپنے غلبے اور فوقیت کا اظہار کرنے کے لئے ہے نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک اس طرح بھی ہے۔

﴿وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ (الحدید: ١٦/٥٧)

(اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں؟)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کے ساتھ اصول اور فروعی امور میں کسی امر میں بھی مشابہت اختیار کرنے سے روک دیا ہے۔"[٢]

۴) کفار سے مشابہت کے انداز پر بالوں کو رکھنا:

تو یہ بھی منع ہے کیوں مسلمان اپنی عام حالت میں بھی کفار کی مخالفت کرنے پر ہی مامور ہے مزید اسے اس امر کا بھی حکم ہے کہ اپنے دین اسلام کے اوامر اور طریقوں پر مضبوطی سے کاربند رہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ آغاز میں نبی اکرم ﷺ نے بال چھوڑنے میں اہل کتاب سے موافقت کی تھی پھر ان کی مخالفت فرمائی۔[3]

تو یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ ان کی مخالفت ہی نبی اکرم ﷺ کا مقصود و مطلوب ہے حتی کہ بالوں کی ہیئت میں ان کے سنوارنے اور مانگ نکالنے

---

[1]) اقتضاء الصراط المستقیم (ص ١٠۴) ط احیاء التراث الاسلامی
[2]) تفسیر ابن کثیر (ص ١٣١١)
[3]) بخاري، کتاب اللباس، باب الفرق (ح: ۵٩١٧) مسلم کتاب الفضائل باب صفۃ شعرہ ﷺ (ح: ٢٣٣٦)

میں بھی تا کہ ان سے اس ظاہری مشابہت کو بھی سرے سے ہی ختم کر دیا جائے جو باطنی مشابہت کو اور ان سے پیار و محبت کو جنم دینے والی ہے جیسا کہ مشاہدات سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آچکی ہے۔

تصاویر کا بیان

۱) بلا ضرورت ہی ذی روح یعنی جانداروں کی تصاویر بنانا:

یہ چیز تو ان نافرمانیوں اور معاصی میں سے ہے جو عام ہو چکی ہیں اور جنہیں بڑی سہولت و آسانی سے کیا جا رہا ہے یہاں تک کہ اس کو جائز ہی سمجھا جانے لگا ہے یا اس کی حرمت کو فراموش ہی کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا اپنی آخرت اور یوم آخرت کو نجات ڈلانے والی باتوں کا کم اہتمام کرنے کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔

جانداروں کی تصاویر اپنی تمام تر انواع و اقسام میں ناجائز ہیں اپنے دلائل کے عموم کے پیش نظر، جن میں اس فرق کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے کہ تصویر والی چیز کا سایہ ہو یا نہ ہو۔ تو ہر وہ کام جسے تصویر کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اسے سر انجام دینا یا اسے ارادۃً اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس کی حرمت پر بہت سی احادیث مبارکہ سے دلائل موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث پاک جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هَذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾[1]

(جو لوگ یہ تصاویر بناتے ہیں انہیں قیامت کے روز عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔)

اس سلسلے میں احادیث مبارکہ سے دیگر دلائل ''حج سے متعلقہ خطائیں'' میں مسئلہ نمبر ۵ کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔ تصویر بنانا کسی بھی صورت میں مباح اور جائز نہیں ہے الا کہ انتہائی ناگزیر مجبوری ہو جیسے کہ پاسپورٹ بنوانے کے لئے یا اپنی حفاظت کے لئے یا اسی طرح دیگر کوئی خاص مجبوری ہو جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو لیکن اس میں بھی ناپسندیدگی اور اظہار نفرت کے جذبات نمایاں اور غالب نظر آتے ہوں۔

البتہ وہ تصاویر جو ڈبوں یا گتے کے ڈبوں (برائے سامان پیکنگ) اخبارات و رسائل وغیرہ میں متواتر آتی رہتی ہیں، وہ اپنی بہتات و کثرت کی وجہ سے قدر

---

[1]) بخاری کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ (ح: ۵۹۵۱) مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم صورۃ الحیوان (ح: ۲۱۰۸)

کھو بیٹھتی ہیں فقہی قواعد میں بھی یہ بات لکھی ہوئی ہے:

﴿اَنَّ الْمُشَقَّةَ تَجْلِبُ التَّيْسِيْرَ﴾ (بوقت مجبوری آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔)

(اگر ان تصاویر کو کھرچ کر مٹا دیا جائے یا مار کر (موٹے قلم) کی سیاہی وغیرہ سے چھپا دیا جائے یا ایسی کوئی تدبیر اختیار کی جائے تو زیادہ مناسب اور اقرب الی الحق ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

۲) ذی روح کی تصاویر کو آویزاں کرنا:

ذی روح کی تصاویر کو آویزاں کرنا یا اپنی مجالس وغیرہ میں کسی مجسمہ، تصویر یا ہاتھ سے ڈرائنگ کی ہوئی کسی شکل وصورت کو آویزاں کرنا اور انہیں نہ مٹانا۔

یہ برائی اور حرمت میں خالی تصویر سے زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہی انداز تو ان تصاویر کی تعظیم وتکریم کا ذریعہ ہے جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

﴿أَنَّهَا نَصَبَتْ سِتْرًا فِيهِ تَصَاوِيرُ فَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَنَزَعَهُ﴾[1]

(انہوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے تصاویر والا ایک پردہ لٹکایا تو رسول اللہ ﷺ نے گھر آتے ہی اسے اتار پھینکا۔)

انہیں سے یہ روایت بھی آتی ہے:

﴿أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فِيهِ تَصَاوِيرُ إِلَّا نَقَضَهُ﴾[2]

(رسول اللہ ﷺ گھر میں کوئی بھی ایسی چیز نہ رہنے دیتے تھے جس میں تصاویر ہوتی تھیں مگر اسے توڑ دیتے تھے۔)

جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ بیان آتا ہے:

﴿اَنَّهُ ﷺ اَمَرَهُ اَنْ لَّا يَدَعَ صُورَةً إِلَّا طَمَسَهَا﴾[۳]

(رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا تھا کہ کسی بھی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑو)

تو تصاویر کو آویزاں کرنا کھلم کھلا محرمات میں سے ہے، تو جب یہی تصاویر مجسمے کی صورت میں ہوں تو ان کی حرمت اور سخت ترین نظر آتی ہے۔ تو اب

---

[1]) بخاری کتاب اللباس، باب نقض الصور (ح: ۵۹۵۲) بلفظ تصالیب دون تصاویر

[2]) مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃ القبور (ح: ۹۶۹)

[3]) مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃ البقور (ح: ۹۶۹)

ہر مسلمان پر واجب اور لازم ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری پیدا کرے اور اپنے گھر سے ان تمام مجسم تصاویر کو یا جانداروں کی لٹکائی ہوئی تصاویر کو خواہ وہ کسی انسان کی ہوں یا کسی حیوان اور پرندے کی ہوں انہیں توڑ دے اور انہیں اپنے گھر سے نکال دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معصیات کے شر سے محفوظ فرمائے۔ واللہ المستعان

۳) ذی روح کی تصویر کو یادگار کے لئے رکھنا:

کسی بھی ذی روح کی تصاویر کو کسی کاغذ یا مجسم کی صورت میں یادگار کے لئے سنبھال کر رکھنا۔

ایسی چیزوں کو سنبھال کر رکھنا نہ تو جائز ہی ہے اور نہ حلال ہی کیونکہ مسلمان کو ان کے مٹانے، ختم کرنے اور تماثیل و تصاویر کو توڑنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا انہیں باقی رکھنا جائز نہ رہا۔ احادیث مبارکہ سے پیشتر ازیں دلائل بیان ہو چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے حکم مبارک اور عمل مبارک سے یہ سنت سامنے آتی ہے کہ ان تصاویر کو توڑا جائے، انہیں مٹایا جائے اور ان کے بنانے بنوانے سے دور ہی رہا جائے۔

۴) تصویر بنانے کے سامان کی خرید و فروخت کرنا:

تصویر بنانے کے لئے سامان خریدنا اور پھر اس آدمی کے لئے جس نے یہ سامان حرام کام میں استعمال کرنا ہو، اس پر یہ واجب ہے کہ اس کام سے بچ جائے۔ جیسا کہ امام دار قطنی وغیرہ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان مبارک نقل کیا ہے:

(إِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ)[1]

(جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں تو اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتے ہیں۔)

ایک دوسری حدیث پاک میں بھی بتوں کی قیمت وصول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[2] متقدمین و متاخرین سب علمائے کرام نے یوں فرمایا ہے:

''تصاویر کی خرید و فروخت منع اور ناجائز ہے، اور ان کی قیمت حرام ہے۔''

اور اس میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں ہے کہ ان تصاویر کے آلات و اسباب کا بھی حکم بالکل وہی ہے جو حکم ان تصاویر کا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ

---

[1]) سنن الدر قطنی (۳/۷)

[2]) بخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والاصنام (ح: ۲۲۳۶) مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام (ح: ۱۵۸۱)

نے بھی تو شراب والے برتن توڑ دینے کا ہی حکم دیا تھا۔[1]

گھریلو خطائیں

۱) میاں بیوی کا آپس میں معمولی باتوں پر اختلاف کرنا:

میاں بیوی کے مابین اتفاق کا نہ ہونا اور معمولی سی وجہ پر مشکلات کو کھڑا کر دینا اور اچھا برتاؤ رکھنے میں تساہل سے کام لینا۔ خاوند کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کی ہر کجی پر صبر کا دامن تھام کر رکھے، اسی طرح بیوی کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی برداشت کا مادہ پیدا کرے۔ اسے غصے سے بالکل دور رہنا چاہیئے جس طرح کہ رسول رحمت ﷺ نے نصیحت فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:

(لَا تَغْضَبْ)[۲] (کہ غصہ نہ کرو)

جب بھی زوجین (میاں بیوی) میں سے کوئی ایک ناراضگی یا غصے کا اظہار کرنے لگے تو دوسرے کے لئے صبر کا اظہار کرنا ہی مستحب ہے اور غصے کا جواب غصے سے دینے والی عادت چھوڑ دینی چاہیئے تاکہ شیطان کا عمل دخل نہ ہو سکے۔ خاوند کے ذمے یہ واجب ہے کہ اپنی بیوی سے نیک رویہ سے پیش آتا رہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء: ۱۹/۴) (ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔)

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک اس طرح ہے:

(اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا)[۱] (ایک دوسرے کو عورتوں کے بارے میں خیر کی وصیت کرتے رہا کرو)

---

[1]) مسند احمد (۱۷/۲-۱۳۲)

[2]) بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب (ح ۶۱۱۶)

دوسری حدیث پاک میں اس طرح فرمان نبوی(ﷺ) موجود ہے:

﴿أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا﴾[2]

(اہل ایمان میں سے کامل ایمان والا وہ آدمی ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہو، اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے لحاظ سے اپنی بیویوں کے لئے بہترین ہو۔)

بیوی کے ذمے یہ واجب ہے کہ اپنے شوہر سے خوش باش رہے اور ہر اس کام میں اپنے خاوند کی اطاعت گزاری کرے جو معصیت نہ ہو، اور خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے، اگر وہ ان امور میں سچی بن کر دکھادے اور اطاعت شوہر کو لازم قرار دے کر زندگی بسر کرے تو اس کے لئے جنت لازم ہے۔ جس طرح کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک بایں الفاظ روایت فرمایا ہے:

﴿أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ﴾[3]

(جو بھی عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔)

آدمی اپنی بیوی کے معاملات کو درست حالت میں چلانے کا ذمہ دار ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (النساء: ۳۴/۴)

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بڑائی دی ہے۔)

اور اللہ تعالیٰ نے یوں بھی فرمایا ہے:

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (البقرة: ۲۲۸/۲)

(البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔)

امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ﴾[1]

---

[1])بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء(ح: ۵۱۸۶)

[2]) مسند احمد(۲۵۰/۲) ترمذی کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا(ح: ۱۱۶۲) ولیس فیھما خلقا

[3])ترمذی، کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق الزوج علی المراۃ(ح: ۱۱۶۱) ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المراۃ(ح: ۱۸۵۴)

(جب عورت اپنی پانچوں نماز ادا کرے، مہینے کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت رکھے اپنے شوہر کی اطاعت میں زندگی گزارے تو اسے یہ کہا جائے گا: کہ جنت کے جس دروازے میں تو چاہتی ہے داخل ہو جا۔)

۲)اولاد کے درمیان برابری نہ کرنا:

اخراجات اور عطیات میں اولاد کے مابین مساوات اور انصاف نہ کرنا، اولاد کے درمیان عدل وانصاف سے کام لینا واجب اور ضروری ہے۔ جس طرح کہ ''صحیحین'' میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک موجود ہے۔

(اتَّقُوْا اللهَ وَاعْدِلُوْبَيْنَ اَوْلَادِكُمْ)[۲]

(اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنی اولاد کے مابین عدل وانصاف سے کام لیا کرو۔)

اسی طرح یہ واقعہ بھی ''صحیحین'' ہی میں موجود ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرا باپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوا اور یوں عرض پرداز ہوا کہ میرا ایک غلام تھا جسے میں نے اپنے اس برخوردار کو عنایت کر دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے استفسار کیا، کیا تو نے اپنے سب بچوں کو ایسے غلام دیئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ ''نہیں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس غلام کو بھی واپس لے لو۔[۳]

''ہاں البتہ اگر کسی بچے کا شرعی سبب بنتا ہو تو اسے الگ بھی دیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ''بچے کا باپ کے ہمراہ کام کرنا'' تو باپ اسی اپنی صوابدید کے مطابق دے سکتا ہے جس کا وہ حقدار بنتا ہے۔

۳)بیویوں کے مابین تقسیم میں ناانصافی سے کام لینا:

تقسیم دو طرح کی ہے: مالی اور بدنی، بدنی سے مراد یہ ہے (کہ اسے بھی اپنی دوسری بیویوں کے مثل شب باشی میں سے حصہ دے (یا پھر یہ) کہ اسے اس کی دوسری سوکن کے برابر راتیں عطا کرے، دونوں بیویوں کے درمیان عدل سے کام لینا واجب ہے اور ظلم وناانصافی حرام ہے۔ یہ بدنی تقسیم واجب

---

[1])مسند احمد (۱/۱۹۱)

[2])بخاری، کتاب الھبۃ، باب الاشھاد فی الھبۃ (ح: ۲۵۸۷) مسلم، کتاب الھبات، کراھۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ (ح: ۱۶۲۳)

[3])بخاری، کتاب الھبۃ، باب الھبۃ للولد (ح: ۲۵۸۶) مسلم حوالہ سابق (ح: ۱۶۲۳)

اور لازمی ہے اس کے وجوب پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک دلیل ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (المائدۃ: ۸/۵)

(کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دی کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ تقویٰ کے اعتبار سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔)

جب کہ سنت مبارکہ سے وہ فرمانِ نبوی ﷺ دلیل ہے جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے:

«مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا ثُمَّ قَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ»[1]

(سنت مبارکہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کنواری سے، پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے شادی کرے تو اس کے پاس سات راتیں گزارنے کے بعد پھر راتوں کی تقسیم کرے اور جب کسی غیر کنواری سے (یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ وغیرہ سے) نکاح کرے تو اس کے پاس تین راتیں گزارے پھر راتوں کی تقسیم عمل میں لائے۔)

اور جس نے ناانصافی کی اس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور اصحاب السنن نے "صحیح سند" سے نبی کریم ﷺ کا فرمان اقدس ذکر کیا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ»[2]

(جس آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ کسی ایک کی جانب ہی جھکاؤ رکھے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہو گا۔)

بالکل اسی طرح مالی تقسیم کار میں بھی عدل وانصاف واجب ہے ظلم وناانصافی کسی صورت میں بھی روا اور جائز نہیں ہے۔

۴) شرعی مراعات کا شادی میں خیال نہ رکھنا:

ان مراعات کو قابل التفات نہ سمجھنا جن کی بناء پر شریعت نے کسی صاحب خلق اور حامل دین سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

---

1) بخاری، کتاب النکاح، باب اذا تزوج الثیب علی البکر (ح: ۵۲۱۴) مسلم، کتاب الرضاع، باب قدر ماتستحقہ البکر والثیب۔۔۔۔(ح: ۱۴۶۱)

2) مسند احمد (۲/۳۴۷) ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی قسم بین النساء (ح: ۲۱۳۳) ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر (ح: ۱۱۴۱) نسائی کتاب عشرۃ النساء باب میل الرجل الی بعض نسائۃ دون بعض (ح: ۳۳۹۴) ابن ماجہ کتاب النکاح، باب القسمۃ بین النساء (ح: ۱۹۶۹)

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾ (النور: ۳۲/۲۴)

(تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں' ان کے نکاح کر دو' اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔)

اور نبی اکرم ﷺ سے اس طرح مروی ہے:

«إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»[1]

(جب تمہارے پاس کوئی ایسا آدمی (پیغام نکاح) لے کر آئے جس کے دین واخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بیٹی' بہن وغیرہ کی) شادی کر دینا اگر تم نے یوں نہ کیا تو پھر زمین میں فتنہ بپا ہو جائے گا اور نہ ختم ہونے والا فساد شروع ہو جائے گا۔)

۵) عورتوں کا غیر محرم مردوں سے مصافحہ کرنا:

یہ تو حرام ہے، کیونکہ جب عورت اپنے ہاتھ تک کو کسی دیکھنے والے کے لئے ظاہر نہیں کر سکتی تو چھونے والے کے لئے کس طرح روا ہو سکتا ہے؟

«اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ»[2] (عورت (پوری کی پوری) قابل ستر چیز ہے۔)

امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لأن يُطْعَنَ فِي رَأسِ أَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِّنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَّمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ»[3]

(تم میں سے کسی آدمی کے سر میں لوہے کی سوئی چبھوئی جائے تو اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔)

ہمارے لئے ہمارے نبی مکرم ﷺ ہی بہترین نمونہ ہیں جو عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے (اس کو امام مالک رحمہ اللہ امام ترمذی رحمہ اللہ، امام

---

[1]) ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فیمن ترضون دینہ فزوجوہ (ح: ۱۰۸۴۔۱۰۸۵) ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الاکفار (ح: ۱۹۶۷) وحسنہ الالبانی فی "صحیح الجامع"۔
اسے امام ترمذی وغیرہ نے سیدنا ابو حاتم المزنی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اگرچہ ان تمام روایات کی سندیں ضعیف ہیں، لیکن سب کا مجموعہ کسی قدر تقویت کا حامل ہے اس طرح یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کی ہے۔

[2]) ترمذی، کتاب الرضاع، باب استشراف الشیطان المراۃ اذا خرجت (ح: ۱۱۷۳)

[3]) مجمع الزوائد (۴/۳۲۶) بحوالہ طبرانی فی الکبیر (۲۰/۲۱۲ح ۴۸۶،۴۸۷) بیہقی فی شعب الایمان (۴/۳۷۴ح ۵۴۵۵)

نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[1]

جب کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک "صحیح بخاری" میں اس طرح موجود ہے۔

﴿وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ﴾[2]

(قسم ہے اللہ تعالی کی! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک نے کبھی بھی بیعت کے لئے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔)

٦) عورت کا اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ نہ کرنا:

عورت کا اپنے خاوند کے بھائیوں، چچا کے بیٹوں اور دوسرے غیر محرموں سے حجاب نہ کرنا۔

یہ بھی اعلانیہ برائیوں میں سے ہے، کیونکہ عورت کو تمام غیر محرموں سے اپنا چہرہ اور اپنا پورا بدن ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ہے اور اگر وہ غیر محرم خاوند کے قریبی ہوں جیسے کہ دیور، جیٹھ یا اس کے چچا کے بیٹے وغیرہ تو معاملہ مزید نازک ہو جاتا ہے۔ جس طرح سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان شدہ فرمان نبوی ﷺ موجود ہے:

﴿إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (عورتوں کے پاس جانے سے بچ کر رہو۔)

تو ایک انصاری صحابی نے دریافت کیا: آپ کا دیور کے متعلق کیا خیال ہے؟

تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ﴿اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ﴾[3] دیور تو موت ہے۔

"اَلْحَمْوُ" ہر وہ رشتہ دار جو خاوند کا قریبی ہو اور عموماً ان پر الزام اور تہمت کم ہی لگتی ہے۔

۷) عورت کا غیر محرم کے ساتھ تنہا ہونا:

عورت کا گھر یا گاڑی وغیرہ میں کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا۔ کسی مرد کو کسی اجنبی عورت کے پاس یا کسی عورت کو کسی اجنبی مرد کے پاس

---

[1]) موطا امام مالک (۹۸۲/۲۔۹۸۳) کتاب البیعۃ، ترمذی، کتاب السیر: باب ماجاء فی بیعۃ النساء (ح: ۱۵۹۷) نسائی کتاب البیعۃ باب بیعۃ النساء (ح: ۲۸۷۴)

[2]) بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام۔۔۔(ح: ۲۷۱۳) مسلم، کتاب الامارۃ باب کیفیۃ بیعۃ النساء (ح: ۱۸۶۶)

[3]) بخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامراۃ الاذو محرم (ح: ۵۲۳۲) مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ والدخول علیھا (ح: ۲۱۷۲)

خلوت میں بیٹھنا حلال اور جائز نہیں ہے، خواہ گھر میں ہو یا کسی گاڑی وغیرہ میں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان گرامی کی وجہ سے:

﴿لَا يَخْلُوَنَّ اَحَدُكُم بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ﴾ [1]

(تم میں سے کوئی کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ بیٹھے مگر صرف ذی محرم کے ساتھ۔)

ایک دوسری روایت میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ان الفاظ میں ہے:

﴿لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ﴾ [2]

(کوئی آدمی کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہیں ہوتا مگر ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔)

''خلوت محرمہ'' یہ ہے کہ کسی بند کمرے یا گاڑی وغیرہ میں یا لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کسی مقام میں بھی بیٹھا جائے تو ایسی خلوت اختیار کرنی حرام ہے۔

۸) مجبوری کے بغیر ملازموں کے سامنے آنا:

کسی مجبوری کے بغیر، اپنے خادموں، ڈرائیوروں، اور اپنی نوکرانیوں کو ایک دوسرے کے سامنے رکھنا۔

اگر ڈرائیور اور نوکرانی دونوں مسلمان میاں بیوی ہوں تو یہ بہت ہی اچھا اور مناسب ہے، اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نوجوان غیر شادی شدہ نوکرانیوں یا خاوندوں سے دور رہ کر ''خدمت خانہ داری'' کرنے والیوں کی ڈرائیوروں سے آنکھیں چار ہو جاتی ہیں، تو برائیاں جنم لیتی ہیں، تو جو آدمی ان نوکروں اور ڈرائیوروں کے حوالے سے گھروں کے حالات جانتا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت گناہوں اور جرائم میں گری ہوئی ہے۔ اور پھر انہیں شعور اور عقل بھی نہیں آ رہی۔ کم ہی لوگ ایسے ہیں جو ان نوکرانیوں کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ انہیں پردہ کرنے اور شرم وحیا سے رہنے کا حکم کرتے ہیں یا انہیں گھروں میں بیٹھا کر رہنے کا کہتے ہیں۔

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے خادموں کو ایسی کھلی چھٹی دے رکھی ہے جو کوئی اپنے دین وایمان کی سلامتی کا خواہاں ہے اسے چاہیئے کہ انہیں شرعی احکامات کا حکم کرے، مزید اپنے گھر بار، اپنی جان اور اپنے بال بچوں کو ڈرائیوروں کی کجی اور ٹھوکر سے محفوظ رکھے اور نوکرانیوں کو بلا پردہ نہ پھرنے دے۔ واللہ المستعان۔

---

[1]) بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامراۃ الا ذو محرم (ح: ۵۲۳۳) مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی حج وغیرہ (ح: ۱۳۱۴)

[2]) ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ (ح: ۲۱۶۵) فی حدیث طویل

۹) گھر میں مرد وزن سے خادموں کا اختلاط:

نوکروں کا عورتوں کے ساتھ، ان نوکرانیوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط ہونا۔ اس بات میں کوئی بھی شک وشبہ نہیں ہے کہ مرد کا عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا حرام ہے اور اس حکم میں خادم نوکر بھی شامل ہیں، اور گھر والا اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ بھی ہوگا اور اس تساہل کے بارے میں پوچھا جائے گا، بعض گھروں میں تو نوکر، نوکرانیاں اور ڈرائیور سب ملے جلے اختلاط والی زندگی گزارتے ہیں، تو یہ حرام ہے۔ صاحب خانہ یا گھر کی مالکہ اگر وہ اس سے روکتی نہ ہو تو وہ گناہگار ہو رہی ہے اور ان کے گناہ کا بوجھ اٹھانے والی ہوگی۔ تو اب یہ واجب اور لازم ہے کہ ایسے وسائل واسباب اختیار کیے جائیں کہ ایسا اختلاط اور ایسی خلوت نشینی ختم کی جا سکے جو بے شمار محرمات ومنکرات کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی آنکھوں کو کھول دے اور ان سے گناہ گاری کے اسباب وطرق کو دور فرمادے۔ (آمین!)

۱۰) ضرورت ہونے کے باوجود خادمہ کے لئے کسی محرم کا ساتھ نہ رکھنا:

یہ بھی اعلانیہ اور کھلم کھلا خطاؤں میں سے ایک ہے یہ اس لئے کہ ایک عورت بلا محرم سفر نہیں کر سکتی، خواہ وہ حج کا سفر ہی کیوں نہ ہو، تو کسی دوسرے سفر میں کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟ جس طرح کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے یوں روایت بیان کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»[1] (عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔)

جب کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک اس طرح بیان کرتے ہیں:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ عَلَيْهَا»[2]

(عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ ایک دن رات کا سفر کسی محرم کے بغیر ہی کرے۔)

---

[1]) بخاری، کتاب جزاء الصید، باب حج النساء (ح: ۱۸۶۲) مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی حج وغیرہ (ح: ۱۳۱۴)

[2]) بخاری، کتاب التقصیر، باب فی کم یقصر الصلاۃ؟ (ح: ۱۰۸۸) مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع ذی محرم الی حج وغیرہ (ح: ۱۳۳۹/۴۲۱)

۱۱) محرم کے بغیر عورت کا بری، بحری یا فضائی سفر کرنا:

یہ حلال اور جائز نہیں ہے۔اس سلسلے میں کچھ دلائل قبل ازیں گزر چکے ہیں۔

۱۲) غیر مسلموں کو لانے کی غلطی کرنا:

اگر وہ جزیرہ عرب کے لئے ہیں تو بالکل حرام ہے جیسا کہ صحیح حدیث پاک سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے روکا ہوا ہے آپ کا فرمان گرامی ہے:

"لایجتمع دینان فی جزیرۃ العرب"[۱] "اخرجوا الیهود والنصاری من جزیرۃ العرب"[۲]

(جزیرہ عرب میں دو دین اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔)

تو غیر مسلموں کو کام کرنے کے لئے یا خدمت لینے کے لئے لانا بہت سی خرابیوں اور قباحتوں کو اپنے ساتھ لاتا ہے، ان کے گھٹیا اخلاق اور ان کے مذہبی طور اطوار بھی ساتھ آتے ہیں، جو آہستہ آہستہ معاشرے میں قرار پکڑتے ہیں، جن سے عوام الناس متاثر ہوتے ہیں۔ غیر مسلموں کے مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کے بہت سے نقصانات اور فتنے دیکھے جا چکے ہیں۔

---

[1]) اسحاق بن راھویۃ فی مسندہ کمافی نصب الرایۃ (۳/۴۵۴) و تلخیص الحبیر (۴/۱۲۴) موطا امام مالک (۲/۸۹۲، ۸۹۳)

[2]) ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں مل سکتی۔ صحیح مسلم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ (لَأخرجن الیهود والنصاری من جزیرۃ العرب۔۔۔) مسلم، کتاب الجہاد: باب اخراج الیهود والنصاری من جزیرۃ العرب، ح۱۷۶۷ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب۔ (بخاری، کتاب الجزیۃ: باب اخراج الیهود من جزیرۃ العرب ح۳۱۶۸، مسلم کتاب الوصیۃ: باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ ح۱۶۳۷۔

گھروں میں پائی جانے والی خطائیں

۱)گھریلو ساز وسامان وغیرہ میں اسراف پسندی:

یہ اس حکم کی خلاف ورزی ہے جو ہمیں معاملات میں میانہ روی اختیار کرنے اور فضول خرچی چھوڑنے کے لئے ملا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الانعام: ۱۴۱/۶)

(اور اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

دوسرے مقام پر اس طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴾(بنی اسرائیل: ۲۶/۱۷) (اور فضول خرچی نہ کرو۔)

اسی طرح گھریلو ساز و سامان میں فخر و مباہات کے لئے اور طلب شہرت کے لئے آدمی کا اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنا اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا بھی جائز نہیں ہے، ان تمام برے مقاصد سے اہل ایمان کو اجتناب کرنا چاہیے۔گھریلو استعمال کی چیزوں کو وسعت دینے اور نفیس و عمدہ چیزیں لانے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ جب تک ان میں اسراف اور فضول خرچی کا عمل دخل نہ ہو۔ جیسے کہ گھر کی دیواروں کو، جائے نماز بنانے یا نقش کروانے سے آراستہ کرنا یا حرام کردہ ریشم وغیرہ کو استعمال میں لانا یا مہنگے ترین داموں، سامان آرائش خانہ خریدنا کہ خریدار کو فضول خرچی میں ملوث ہونا پڑے، حالانکہ ہر معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کا دامن تھام کر رکھنا ہی بہتر ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی حالت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ لیکن جو شخص اسلاف کے احوال اور ان کی زندگیوں کو نمونہ بنائے گا وہ تو صاحب کمال ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے۔ [1] ہمیں معاف فرمائے اور کرم فرمائے۔

---

[1]) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ایک بستر خود آدمی کے لئے دوسرا اس کی بیوی کے لئے تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کا ہے۔

(مسلم کتاب اللباس، باب کراھۃ مازاد علی الحاجۃ من الفراش واللباس ح ۲۰۸۴)

یعنی اگر بے ضرورت خالی بستر صرف زینت کے لئے بچے رہیں گے وہ شیطان کے کام آئیں گے۔اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ دنیا کا ساز و سامان جمع کرنا ناپسندیدہ فعل ہے اور اگر فخر و غرور کے ارادے سے جمع کرے تو ایسا کرنا حرام ہے۔(و) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے

۲) بعض مکانات کو بعض سے اوپر لے جانا:

یہ ایسی چیزوں میں سے ہے جن سے آگاہ و خبر دار رہنا چاہیئے کیونکہ سب گھروں میں کچھ چیزیں قابل پردہ اور کچھ امور رازداری سے متعلق ہوتے ہیں جنہیں چھپانا اور راز میں رکھنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

اس طرح کچھ مکانات کو بلند بنا کر، ان کے بیرونی صحن رکھ کر، دوسروں کی خصوصاً عورت اور صاحب خانہ کی شرعی آزادی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنا ہے۔ تو اس کو دور کرنا اور اس کا علاج کرنا ہی بہتر ہے۔ واللہ الموفق

کھانے اور پینے میں خطائیں

۱) کھانے پینے کی اشیاء باہر پھینکنا:

کھانے پینے میں اسراف کرنا، یا ماکولات و مشروبات کو گندی جگہوں پر پھینک دینا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف: ۳۱/۷)

(اور کھاؤ پیو' اور حد سے تجاوز نہ کرو' اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

اور اس طرح بھی فرمایا ہے:

ایک جہاد کی مہم پر جانے کے بعد میں نے دروازے پر ایک پردہ لٹکایا، جب رسول اللہ ﷺ واپس لوٹے، تو اس پردے کو دیکھ کر کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس کا پھاڑ کر ٹکڑے کر ڈالا اور پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا کہ ہم مٹی اور پتھروں کو کپڑے اوڑھائیں۔(مسلم کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان (ح: ۲۱۰۷) اس حدیث سے بھی بلاضرورت اور فضول آرائش اور زیب وزینت کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وفی ذلک ادلۃ کثیرا (ک)

﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (٢٦) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۲۶،۲۷)
(فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔)

اسراف یہ ہے کہ مہمانوں کے اکرام میں حد اعتدال سے زائد خرچ کرنا، اگر اسی چیز کو بعد میں کھا لیا جاتا یا اتنی مقدار کو صدقہ ہی کر دیا جاتا تو بہتر ہوتا، لیکن اسی زائد چیز کو گندگی کے ڈھیر یا کسی بھی دوسری ناپاک چیز پر پھینک دیا گیا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری کرنے کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی منشا اور پسند کے خلاف غلط استعمال کرنے کا جرم بھی ہوگا علاوہ ازیں فضول خرچی اور اسراف بھی شمار ہوگا جب کہ معاشرے میں بھوکے رہنے والے لوگوں کی کثیر تعداد بھی موجود ہے۔ یہ حرکات تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غصے کو دعوت دینے والی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ﴾ (الحج: ۲۲/۴۵)
(کتنی ہی خطاکار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں، کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں۔)

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

«كُلُوا وَاشْرَبُوا وَتَصَدَّقُوا وَالْبَسُوا مَا لَمْ يُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ أَوْ مَخِيلَةٌ»[1]
(تم کھاؤ پیو، صدقہ بھی کرو، لباس بھی پہنو، لیکن فضول خرچی اور غرور و تکبر کو شامل نہ ہونے دو۔)

۲) بائیں ہاتھ سے کھانا پینا:

''شیطان کے کھانے'' کے طریقے سے مشابہت کی وجہ سے یہ بھی منع ہے۔ جس طرح کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ»[2]
(جب بھی تم میں سے کوئی کھانا کھانا چاہے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پینا چاہے تو بھی دائیں ہاتھ سے پیے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔)

---

[1]) مسند احمد (۲/۱۸۱) نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الاختیال فی الصدقۃ (ح: ۲۵۶۰) ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب لبس ماشئت ما اخطاک سرف او مخیلۃ (ح: ۳۲۰۵) وعلقہ البخاری فی اوائل کتاب اللباس

[2]) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب (ح: ۲۰۲۰)

۳)اشیائے خورد ونوش کو گندی نالیوں میں بہانا:

خورد و نوش کی اشیاء کو نالیوں (گندے پانی کے پائپوں) میں بہانا یا دونوں پائپوں کو ملا دینا یا مائع کھانے کو پائپوں میں بہا دینا وغیرہ۔ دیار عرب کے مفتی الشیخ علامہ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ سے اسی طرح کا ایک سوال دریافت کیا گیا تھا جس کا انہوں نے درج ذیل جواب دیا تھا۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے شمار انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازا ہے اور انہیں ان نعمتوں کے استعمال کرنے پر شکر گزاری کا حکم بھی دیا ہے۔ان جملہ نعمتوں میں سے کھانے پینے والی نعمتیں بھی شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے:

﴿كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ﴾ (سبا: ۱۵/۳۴) (کھاؤ اپنے رب کا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا۔)

تو اس حکم کے مطابق ہر بندے پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب اور ضروری ہے تو اس شکر گزاری میں یہ امور بھی شامل ہیں، کہ ان کی بے قدری نہ کرے ان کو بے حیثیت نہ سمجھے اور انہیں ناپاک اور گندے مقامات پر نہ پھینکے۔

البتہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مذکورہ مقامات میں ہاتھ کو دھونے کے متعلق قدرے تفصیل ہے۔

اگر ہاتھوں کے ساتھ کچھ کھانے کی مقدار لگی ہوئی ہو اور اس آدمی کا ان مقامات میں ہاتھ دھو کر یہ مقدار وہاں بہانے اور گرانے کا ارادہ ہو تو یہ ناجائز اور غلط ہوگا، کیوں کہ اس طریقے سے ''نعمت الٰہی'' کی بیقدری اور بے احترامی ہے۔

لیکن اگر ہاتھوں کے ساتھ کھانے کی مقدار کی بجائے صرف وہی کھانے کی ذرات وغیرہ ہوں جو ہاتھوں اور برتنوں میں لگے رہ جاتے ہیں کھانے کے بڑے اجزاء یا روٹی کے ٹکڑے وغیرہ نہ ہوں تو ایسے ہاتھوں اور برتنوں کو کسی جگہ بھی دھو لینے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔کیونکہ ایسے ذرات کو کھانا نہیں بلکہ میل کچیل ہی کہتے ہیں جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اور نہ ہی کوئی ایسی چیز کو کھانے کی رغبت اور خواہش ہی رکھے گا۔ بلکہ اسے ہاتھوں سے چپکی ہوئی میل کچیل ہی کہتے ہیں۔اگر ان ذرات کو جمع کر کے کسی برتن میں رکھ دیا جائے تو کوئی آدمی اپنی بھوک پیاس کی شدت کے باوجود بھی اسے کھانے پر آمادہ نہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح اگر معمولی یا بے معلوم سی چیز مثلاً چاول کے دانے وغیرہ جن کا خیال رکھنا انتہائی مشکل ہو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔''(مفتی رحمہ اللہ کا فتویٰ مکمل ہوا۔)

تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مائع قسم کے کھانے یا مشروبات کو گندے پانی کے پائپوں میں بہانا جن کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے اور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کو گرانا اور ضائع کرنا بھی منع ہے کیونکہ یہ بھی نعمتوں کی بے قدری ہی میں شامل ہے۔

۴) کھانے پینے کے موقع پر "تسمیہ" کو چھوڑ دینا:

کھانے پینے سے قبل تسمیہ یعنی "بسم اللہ" پڑھنے کا حکم ہے۔ جس طرح کہ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا:

(یَا غُلاَمُ سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)[1]

(اے بچے! اللہ تعالیٰ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کرو، اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔)

امام مسلم ہی نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی اس طرح بھی بیان کیا ہے:

(إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لاَ يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ)[2]

(شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال سمجھ لیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔)

احکام جنازہ میں خطائیں

۱) سوگ کے ایام میں "پڑھنے والوں" کو بلانا:

یہ ایک ایسی نئی ایجاد شدہ بدعت ہے جس کا "دین محمدی (ﷺ)" میں کوئی وجود نہیں ہے، اور اس کام کو حصول قرب الٰہی، کا ذریعہ تصور کرنا ایسا کام شروع کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا، جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (الشوری: ۲۱/۴۲)

(کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے شریک رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے، جس کا اللہ نے اذن (حکم) نہیں دیا۔)

---

[1]) بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین (ح: ۵۳۷۶) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب (ح: ۲۰۲۲)

[2]) مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب (ح: ۲۰۱۷) مختصر وفیہ قصۃ)

اور یہ نیا ایجاد شدہ فعل یعنی سوگ و تعزیت کے ایام میں "پڑھنے والوں" کو بلانا[1] سیرت نبوی ﷺ میں سے نہیں ہے اور نہ ہی بہترین ادوار خیر القرون میں سے کسی نے ایسے کیا ہے۔

دراصل تعزیت کے لیے بیٹھنا ہی مکروہ ہے بلکہ مسنون عمل تو یہ ہے کہ (نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد) سب اپنے اپنے کام کاج کی طرف چل دیں تاکہ "کیفیت غم" ہلکی ہو جائے۔

سب "متبوعہ مذاہب" کے سالکین کے نزدیک اس پروگرام کے تحت "صف ماتم" بچھا کر بیٹھنا کہ تعزیت کے لئے لوگوں کی آمد و رفت چلتی رہے مکروہ اور ناپسند ہے تو جب صرف بیٹھنے پر ہی اس قدر قدغن ہے تو ان محدثات و بدعات مثلاً وہاں پر پڑھائی کروانا اور شرکاء کے مالی اخراجات کی راہیں نکالنا کس قدر منکرات و بدعات ہوں گی۔

ام ابن القیم رحمہ اللہ نے "الھدی" میں یوں تحریر کیا ہے:

> "میت کے اہل خانہ سے اظہار تعزیت تو رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ میں سے ہے لیکن تعزیت کے لئے اجتماع کرنا اور قرآن خوانی کرنا وغیرہ سنت مبارکہ میں سے نہیں ہے۔ نہ تو قبر کے پاس اور نہ ہی کسی دوسری جگہ میں یہ سب مکروہ اور نئی بدعات میں سے ہیں۔"[2]

دور حاضر میں کاروبار کی مختلف نوعیتوں کے پیش نظر بعض اوقات تعزیت کرنے والا تعزیت بھی نہیں کر سکتا تو اس طرح کسی برائی کے ارتکاب کے بغیر کچھ دیر کے لیے بیٹھنے میں رخصت ہو گی کیونکہ اس سے سنت کی یعنی تعزیت کرنے والی میت کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ تو جس کام سے شرعی حکم کی بجا آوری ممکن ہو رہی ہے وہ تو جائز ہی رہے گا۔ واللہ اعلم

۲) تعزیت کے لیے آنے والوں کی خاطر کھانے پینے کا اہتمام:

یہ سنت کے خلاف اور میت کے اہل خانہ کو مشغول کرنے والا عمل ہے۔ بلکہ مسنون عمل تو یہ ہے، کہ میت کے اہل خانہ کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق کھانا تیار کیا جائے۔ جیسا کہ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ملتی ہے کہ جب سید جعفر طیار رضی

---

[1] جیسا ہمارے یہاں مدرسے کے بچوں کو قرآن خوانی برائے ایصال ثواب وغیرہ کے لئے بلایا جاتا ہے۔ط ع

[2]) زاد المعاد (۱/۵۲۷)

اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا:

(اصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ)[1]

(آل جعفر کے لیے کھانے کا بندوبست کرو کیونکہ ان کے پاس ایسا معاملہ آن پہنچا ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے۔)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ میں سے یہ بھی ہے کہ میت کے گھر والوں کو لوگوں کی خاطر کھانے پکانے کی رحمت نہ دی جائے۔ بلکہ آپ نے تو اس کے برعکس یوں حکم دیا ہے کہ لوگ کھانا پکا کر ان کے پاس لائیں تو یہ کام مکارم اخلاق اور عمدہ کردار میں سے ہے اور میت کے اہل خانہ سے ''بار غم'' کو ہلکا کرنے والی بات بھی ہے۔ وہ خود لوگوں کی خاطر مدارت کے سلسلے میں کھانے، پیش کرنے سے بڑھ کر بڑی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔[2]

۳)شرکائے محفل کے لیے چراغاں کا اہتمام کرنا:

شرکاء کے لیے خاص محفل کا اہتمام کرنا، گھر میں چراغاں کرنا اور تحفہ و تحائف تقسیم کرنا۔

یہ بھی جملہ بدعات میں سے ہیں، چراغاں کرنے میں لوگوں کو ''موت کی اطلاع'' دینا ہے جو کہ منع ہے مسئلہ نمبر ۲ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل میت سے کھانا پکا کر تعاون کرنا سنت ہے انہیں ایسے کاموں کی زحمت نہیں دینی چاہیئے جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ سنت پر عمل پیرا ہونے ہی میں خیر و برکت ہے اور بدعت پر چلنے میں گناہ اور پریشانی ہی ہے۔

۴)میت پر نوحہ خوانی کرنا:

یہ زمانہ جاہلیت کے کاموں اور کفر کے طور پر طریقوں میں سے ہونے کی بنا پر حرام ہے، جس طرح کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

---

[1] ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب صنعۃ الطعام لاھل المیت (ح: ۳۱۳۲) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یمنع لاھل المیت (ح: ۹۹۸) ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یبعث الی اھل البیت (ح: ۱۶۱۰)

[2] زاد المعاد (۱۱/۵۲۸)

«اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ»[1]
(لوگوں میں دو کام ہیں جن کے ساتھ کفر ہے، نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ خوانی کرنا۔)

سیدنا ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''کہ میری امت میں زمانہ جاہلیت کے کاموں میں سے چار کام ہوتے رہیں گے وہ انہیں نہیں چھوڑیں گے:

۱) حسب و نسب پر فخر کرنا۔

۲) نسب پر طعن کرنا۔

۳) ستاروں کے ذریعے بارش مانگنا۔

۴) نوحہ خوانی کرنا۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

کہ اگر نوحہ کرنے والی اپنی موت سے قبل توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص ہو گی۔[2]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں:

''کہ جب میرے خاوند ابو سلمہ فوت ہوئے تو میں نے یہ عزم کیا کہ ایک تو وہ مسافر تھے اور دوسرے دیار غیر میں تھے، اس لیے میں ان کی وفات پر ایسا نوحہ کروں گی کہ اسے لوگوں میں بیان کیا جائے گا۔ تو میں نے اس مقصد کے لیے مکمل تیار کر لی اس سلسلے میں ایک خاتون میری مدد اور معاونت کے لیے آ رہی تھی رسول اللہ ﷺ اسے راستے میں ملے اور یوں فرمایا:

«أَتُرِيدِينَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللهُ مِنْه؟ فَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ أَبْكِ»[3]

(کیا تو اس گھر میں شیطان کو دوبارہ لانا چاہتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے باہر نکال دیا ہے؟ تو اس پر میں نے اپنے پروگرام کو ختم کر دیا اور

---

1) مسلم، کتاب الایمان، باب اطلاق اسم الکفر علی الطعن فی النسب والنیاحۃ (ح: ٦٧)
2) مسلم، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ (ح: ۹۳۴)
3) مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت (ح: ۹۲۲)

بالکل نہ روئی۔)

نوحہ خوانی یہ ہوتی ہے کہ میت کی تعریفیں کرتے ہوئے آوازوں کو بلند کرنا۔ایسی بلند آوازوں کے ساتھ رونا کہ جس طرح حمام یعنی کبوتر کوکو کرتا رہتا ہے۔

تو یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے فیصلے، قضاو قدر پر اظہار ناراضگی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ اس لازمی صبر کے بھی منافی ہیں (جو اللہ تعالیٰ کی معیت کے حصول کے ذریعہ ہے۔)

توچونکہ ان کاموں پر وعید اور عذاب کی وارننگ بھی ہے اس لیے کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔(اقتباس از فتح المجید)۔[1]

۵) رخسار پیٹنے، گریبان چاک کرنے اور جاہلیت کے بول بولنے:

تو یہ بھی جاہلیت کے کاموں میں سے ہونے کی بناپر برے اور حرام ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناراض ہونے اور مصیبت و پریشانی میں صبر کا دامن ہاتھوں سے چھوڑنے پر دلالت کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ»[2]

(جس کسی نے رخساروں کو پیٹا' گریبان کو چاک کیا یا جاہلیت کے بول بولے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

تو یہی الفاظ ہی مذکورہ کاموں کی حرمت پر دلیل ہیں۔

ابو بردہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ کے درد ہو رہا تھا، اس وقت ان کا سر اہل خانہ میں سے ایک عورت کی گود میں تھا، تو اس خاتون نے باآواز بلند چیخنا چلانا شروع کر دیا، تو اس وقت ان میں اسے منع کرنے اور روکنے کی استطاعت اور ہمت نہ تھی، تو جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو فرمانے لگے:

«أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ بَرِئَ مِنْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ»[3]

(میں بھی اس "فعل بد" سے بیزار اور بری الذمہ ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ بیزار اور بری الذمہ تھے' بے شک رسول اللہ ﷺ ان

---

[1] فتح المجید (ص۳۳۷) باب ماجاء فی الاتسقاء بالانواء

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود (ح: ۱۲۹۷) مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب (ح: ۱۰۳)

[3] بخاری، کتاب الجنائز، باب ماینھی من الحق عند المصیبة (ح: ۱۲۹۶) مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب (ح: ۱۰۴)

تمام عورتوں سے بیزار تھے۔)

۱) باآواز بلند رونے والی سے

۲) بوجہ غمی بال منڈوانے والی سے۔

۳) گریبان چاک کرنے والی سے۔

۶) عورتوں کا جنازے کے پیچھے چلنا:

تو یہ بھی منع ہے جس طرح کہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں:

«كُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا» [1]

(ہمیں جنازوں کے پیچھے آنے سے روکا جاتا تھا لیکن ہم پر سختی نہ کی جاتی تھی۔)

عورتوں کا جنازوں کے پیچھے چلنا بہت سی منکرات اور برائیوں کا سبب ہے۔اس میں نوحہ خوانی بھی ہوگی اور صبر و رضا کے برعکس کھو کھلے اور لا ابالی پن کا اظہار بھی ہوگا۔

۷) میت پر ناجائز طریقہ سوگ اختیار کرنا:

تین ایام سے زائد، میت پر سوگ منانا ماسوائے بیوی کے کہ (خاوند کی فوتیدگی پر) چار ماہ اور دس دن سوگ منائے گی۔

یہ حرام اور ناجائز ہے، جس طرح کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے یہ سنا ہے:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا» [2]

(کسی بھی عورت کے لیے جائز اور حلال نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ کسی بھی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے مگر صرف خاوند کے فوت ہونے پر، چار ماہ اور دس دن سوگ منائے گی۔)

---

[1]) بخاری، کتاب الجنائز، باب اتباع النساء الجنازۃ (ح: ۱۲۸۷) مسلم، کتاب الجنائز، باب نھی النساء عن اتباع الجنائز (ح: ۹۳۸)

[2]) بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنھا اربعۃ اشھر وعشرا (ح: ۵۳۳۴) مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ (ح: ۱۴۸۶)

اس طرح سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جو بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ (۱)

سوگ منانے کا معنی ومطلب یہ ہے:

''کہ عورت ان ایام میں زیب وزینت' خوشبو اور خضاب ومہندی وغیرہ لگانے چھوڑ دے' خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زائدہ سوگ نہ منائے گی۔

جس طرح کہ فرمان باری تعالیٰ موجود ہے:''

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرۃ: ۲/۲۳۴)

(تم میں سے جو لوگ مر جائیں' ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے' دس دن روکے رکھیں۔)

اور مذکورہ حدیث پاک بھی اس کی دلیل ہے۔

۸) اخبارات ورسائل کے ذریعے مرنے والوں کی موت کی اطلاع کرنا:

کسی کے مرنے پر اعلان کرنا یا اس کی موت کو مشہور کرنا بھی منع ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یوں تحریر فرمایا ہے: بعض اہل علم کے نزدیک موت کی اطلاع کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک ''موت کی اطلاع کرنے'' سے مراد یہ ہے کہ لوگوں میں منادی کروائی جائے کہ فلاں شخص (یا عورت) فوت ہو گیا ہے تا کہ لوگ اس کے جنازے میں حاضر ہو سکیں۔ اور بعض اہل علم نے یوں کہا ہے: کہ آدمی اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں کو بتادے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (۲)

''سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث میں بھی ''موت کی اطلاع کرنے'' کی نہی موجود ہے۔ (۳)

تو اس کا ایک مطلب یہ ہے:

مردے کو دفانے کے بعد لوگوں میں گھوم پھر کر اس بات کی منادی کروانا یا اس آدمی کی خاطر اعلان کروانا جس نے نماز جنازہ نہیں پڑھنی، البتہ اس

---

1) بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنھا اربعۃ اشھر وعشرا (ح: ۵۳۳۵) مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ (ح: ۱۴۸۷)

2) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی کراھیۃ النعی۔

3) ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی کراھیۃ النعی (ح: ۹۸۴،۹۸۶) ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النھی عن النعی (ح: ۱۴۷۶) وروایۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ضعیفۃ)

آدمی کو اطلاع کرنا جو میت کے پاس جانا چاہتا ہے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتا ہے اس کو اطلاع کرنے میں کچھ حرج نہیں ہوگا۔

جس طرح کہ ''صحیحین'' میں یہ بات موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ''نجاشی'' (شاہ حبشہ) کی موت کی اطلاع یوم وفات پر صحابہ کرام کو دی تھی۔[۱] اور یہ صرف اسی لیے تھی کہ وہ نماز جنازہ پڑھ لیں اور یہ اس لیے بھی تھی کہ وہ دار کفر میں فوت ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

۹) سوگ منانے والی پر بے جا سختیاں:

سوگ منانے والی کو چاند دیکھنے سے، بلند جگہ پر چڑھنے سے یا کسی عزیزہ اور عزیز کو سلام کہنے سے بھی منع کرنا۔ تو یہ بھی عوام الناس میں پائی جانے والی خطاؤں میں سے ہیں، جب کہ سنت مبارکہ میں سوگ منانے والی کو صرف پانچ مباح کاموں میں روکا گیا ہے۔

۱) کپڑے پہننے میں زینت اختیار کرنے سے وہ ان ایام میں خوبصورت لباس زیب تن کرنے کی بجائے صرف سادہ لباس ہی پہنے۔

۲) خوشبو وغیرہ استعمال کرنے سے۔

کپڑوں پر ہو یا بدن پر ہو، ہاں البتہ حیض سے فراغت پانے پر بقدر ضرورت استعمال کرسکتی ہے، خوشبودار تیل، اور مہندی وغیرہ بھی استعمال نہیں کرے گی۔

۳) زیورات پہننے سے۔

وہ زیورات وغیرہ بھی نہیں پہنے گی کیوں یہ بھی تو زینت میں سے ہیں۔

۴) سرمہ وغیرہ لگانے سے:

وہ سرمہ بھی استعمال نہیں کرے گی اسی طرح ایسے رنگ وغیرہ بھی استعمال نہیں کرے گی جن سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے۔

۵) جس گھر میں خاوند فوت ہوا ہے اسی گھر میں رہے گی۔[۲]

---

[1]) بخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازۃ (ح: ۱۲۱۸، ۱۳۲۰) مسلم، کتاب الجنائز، باب فی التکبیر علی الجنازۃ (ح: ۹۵۱، ۹۵۲)

[2]) یہاں واضح نہیں کیا گیا۔ اصل نوعیت مسئلہ یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں رہ کر ہی عدت گزارے گی۔ سوائے اس کے کہ کوئی شدید ترین مجبوری ہو کہ کوئی صورت ہی

''یہی وہ پانچ امور ہیں جو خاوند پر سوگ منانے والی کے لیے لازم ہیں۔ ان کے علاوہ جو کام ہیں وہ اس کے لیے مباح اور جائز ہیں تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اور ہر حال میں اس کا خیال رکھتے ہوئے مباح کاموں میں سے جو کرنا چاہتی ہے کرے۔''

۱۰) سوگ کے لیے سیاہ لباس پہننا:

خاوند کے لیے سوگ منانے والی کے لیے سیاہ رنگ کے لباس کو ہی مخصوص کروانا۔

سیاہ لباس پہننا کوئی لازم نہیں ہے۔ عورت کو سوگ کے ایام میں خوبصورت لباس، شوخ رنگ یا زیب وزینت والے کپڑے پہننے سے روکا جائے گا۔ یہ ایام گزار لینے کے بعد وہ جیسے رنگ چاہے استعمال کر سکتی ہے سیاہ رنگ ہو یا نیلا یا سبز۔ البتہ ایسا لباس نہیں ہونا چاہیئے جو اتنا زیادہ خوبصورت ہو جس پر لوگوں کی نظریں ہی جمی رہیں۔ یہ سب امور اور پابندیاں خاوند کے حق اور سابقہ عقدہ نکاح کے حق کی تعظیم کرتے ہوئے پورا کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح کہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلاَّ عَلَى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا لاَ تَكْتَحِلُ وَلاَ تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلاَّ ثَوْبَ عَصْبٍ وَلاَ تَمَسُّ طِيْبًا إِلاَّ إِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةٍ مِنْ قِسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ»

(کسی بھی عورت کے لئے حلال نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی پر سوگ منائے مگر صرف خاوند پر، نہ وہ سرمہ لگائے گی اور نہ ہی رنگین کپڑے پہنے گی، مگر جس کپڑے کا دھاگہ بناوٹ سے رنگا ہوا ہو، اور نہ ہی خوشبو استعمال کرے گی مگر جب ماہوار کے خون سے پاک ہو تو ''قسط یا اظفار'' کی خوشبو سے تھوڑی سی مقدار استعمال کر سکتی ہے۔) واللہ اعلم

«وَصَلَّى اللهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا»

اللہ تعالیٰ ہی نیک اعمال کی توفیق عطا فرمانے والے ہیں۔ اسی نے ہم پر اس کتاب کے بہترین اختتام کرنے پر احسان اور نوازش فرمائی ہے۔ اس نے ہمیں حق کی طرف بلانے والے اور حق پر جمع رہنے والے بنایا ہے۔

خاوند کے گھر میں رہنے کی نہ ہو۔ مثلاً خاوند کا گھر ہی نہ ہو۔ تاہم اصل یہی ہے کہ عدت تک صرف اپنے خاوند کے گھر ہی رہے گی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے ایک عورت نبی ﷺ کے پاس یہ مسئلہ لے کر آئی تھی اس نے کچھ مجبوری بھی بیان کی۔ پہلے آپ نے اجازت دے کر دوبارہ حکم دیا۔ نہیں! خاوند کے گھر ہی میں رہو گی۔ (نسائی کتاب الطلاق باب مقام المتوفی عنھا زوجھا فی بیتھا حتی تحل) (اگ)

اے اللہ ! تو اسے قبول و منظور فرمالے اور ہم سب کو معاف فرمادے۔ آمین۔